قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلۂ مجموعۂ مواعظ

التبلیغ ۲۵

کا وعظ

(۱) طریق القلندر

(۲) احسان الاسلام

(۳) ترک مالایعنی

منجملہ ارشادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

باہتمام: شیاز الدین اصلاحی قاسمی

ادارہ فکر اسلامی دیوبند

فہرست مضامین التبلیغ ۲۵

ایک ضروری اطلاع

وصی التبلیغ ۲۵ کے صفحہ نمبر ۲۳۶ پر مواعظ التبلیغ اور ادارہ کے خصوصی پروگرام کا اعلان بعنوان "وعظ سے پہلے" دیا گیا ہے لہٰذا ممبران حضرات اعلان کو پڑھکر خصوصی توجہ فرمائیں، فقط نیازمند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

طریق القلندر لحریق السمندر

این	کہاں ہوا	درگاہ قلندر صاحب پانی پت
متٰی	کب ہوا	شب شنبہ ۲۵ صفر ۱۳۳۶ھ ۳۰ نومبر ۱۹۱۷ء
کم	کتنی دیر ہوا	۸-۲۲ تا ۱۱-۳ کل ۲ گھنٹہ ۴۰ منٹ
کیف	کس طرح ہوا	چوکی پر کھڑے ہو کر
لِمَ	کیوں ہوا	اہل شہر کی درخواست پر
ماذا	کیا مضمون تھا	طریق قلندری جو تصوف کا ایک مقبول طریق ہے اس کا صحیح مفہوم اور اسکے متعلق عام غلطی کا ازالہ
لِمَن	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	اہل تصوف کو
من ضبط	کس نے ضبط کیا	مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب و خواجہ صاحب مگر بالقصد خواجہ صاحب نے وقت تبییض دونوں مسودوں پر نظر کر لی
السامعون	سامعین کی تعداد	تخمیناً چار ہزار

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به
ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات
اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد
ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله
تعالیٰ عليه وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم
اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمن الرحيم ۝ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ
هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝
جن آیتوں کی میں نے تلاوت کی ہے، ان میں ہرچند کہ مضامین
متعدد ہیں مگر باوجود تعدد کے غیر مربوط نہیں بلکہ ان مضامین میں باہم

ارتباط ہے اور ارتباط بھی ایسا کہ تابعیت اور متبوعیت یا اصالت اور فرعیت کا، کیا معنی کہ ان میں بعض اجزاء اصل ہیں اور بعض فروع یا توابع یا یوں کہیے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض متمم اور مکمل یا یوں کہئے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض علامات و آثار۔

بہر حال جس عنوان سے چاہے تعبیر کیجئے، حاصل یہ ہے کہ بعض مضامین اصل ہیں اور بعض تابع، اب اس اصل کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جائے اور تابع کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جائے، لیکن یہ خوب سمجھ لیا جاوے کہ تابع کے یہ معنی نہیں کہ وہ مقصود نہیں، بلکہ مقصود وہ بھی ہیں، مگر مقصود مقصود میں فرق ہوتا ہے یعنی ایک تو مقصود ہوتا ہے من کل الوجوہ اور ایک مقصود ہوتا ہے من بعض الوجوہ، گو لزوم اور وجوب دونوں میں مشترک ہوتا ہے، مثلاً جیسے نماز اور وضو ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اصل ہے اور وضو تابع اور اس کی شرط ہے، مگر باوجود اس کے یہ نہیں ہے کہ وضو کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں یعنی اس معنی کر غیر مقصود نہیں ہے کہ بلا وضو بھی نماز کو جائز سمجھا جاوے، بلکہ دونوں میں عجیب تعلق ہے کہ وضو بلا نماز کے صحیح ہے لیکن نماز بلا وضو کے صحیح نہیں، یعنی یہ تو ہے کہ بدون وضو کے نماز درست نہیں، لیکن اس کا عکس نہیں ہے،

مثلاً اگر کوئی وضو تو کرلے مگر نماز نہ پڑھے یعنی جس نماز کے لئے وضو کیا ہے اس نماز کے وقت کے اندر اس وضو سے اس نماز کو ادا

نہ کرے تب بھی جب دوسرا وقت نماز کا آئے گا تو کسی مفتی کا فتوی نہیں کہ اس دوسری نماز کے لئے پھر وضو کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ وہی وضو کافی ہوگا دوسری نماز کے لئے اداءً اور پہلی کے لئے قضاءً۔ غرض وضو بلا نماز صحیح ہو سکتا ہے، لیکن نماز بلا وضو صحیح نہیں ہو سکتی۔

ایک غلطی پر تنبیہ

یہ مثال اور اس مثال کے اندر یہ خصوصیت یاد رکھنے کے قابل ہے تاکہ اجمالاً ایک غلطی معلوم ہو جاوے جو بعض لوگ اعمال کے اندر کرتے ہیں کہ مقاصد غیر مقاصد کے اندر تفصیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعمال غیر مقصود کا حذف بھی جائز ہے، یعنی آج کل یہ بہت زبان زد ہے کہ مقصود تو حق تعالیٰ کی یاد ہے اور نماز روزہ وغیرہ محض اس کے ذرائع ہیں اور غیر مقصود ہیں۔

چنانچہ اس زمانہ میں بہت لوگوں نے یہ مشرب اختیار کر رکھا ہے، اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نماز روزہ وغیرہ کا غیر مقصود ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کا، کہ گو غیر مقصود ہے لیکن کیا اس کو جائز الحذف یا جائز الترک کہہ سکتے ہیں، ہرگز نہیں، بلکہ غیر مقصود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مقصود کے برابر نہیں اور غیر مقصود بھی محض اس درجہ میں ہے کہ نماز کا رکن اس میں داخل نہیں کیونکہ شرط ہمیشہ مشروط سے خارج ہوا کرتی ہے مگر بوجہ شرط ہونے کے مقصود کی مکمل و متمم ہونے کے

درجہ میں یہ بھی مقصود ہے۔

بہر حال مقصود کے درجات ہوا کرتے ہیں، خوب سمجھ لیجیے میرے الفاظ مقصود و غیر مقصود سے شبہ ہو سکتا تھا، اس کو رفع کرنا ضروری تھا، چنانچہ اس مثال سے اس کو رفع کر دیا گیا، بلکہ اس طرح کہا جاوے تو اور زیادہ واضح ہے کہ مقصود تو سب اعمال ہیں لیکن بعض مقصود ہیں اور بعض مقصود المقصود و مقصود اعظم ہیں بہر حال وہ شبہ حذف ہو گیا، اب بعد حذف شبہ کے میں پھر عود کرتا ہوں اپنی تقریر کی طرف یعنی جتنے اجزاء ان آیتوں میں ہیں وہ ہیں تو سب کے سب مقصود لیکن ان میں جو مضمون مقصود اعظم ہے اس کو اس وقت بیان کرنے کے لئے میں تجویز کیا ہے کیونکہ وہ مضمون از روئے قواعد شرعیہ کے نیز بہ اعتبار اپنی نوع کے اصل ہے، باقی مضامین اسی کے متمم اور توابع اور لاحق ہیں۔

یہ حاصل ہے اس مضمون کا، اس مضمون کا حاصل مفصل تو ان آیتوں میں ہے جو عنقریب بیان میں ان شاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے، اور مجمل حاصل ایک اور بھی ہے کہ جو حضرت عراقی کے ایک شعر میں ایک دوسرے عنوان سے مذکور ہے۔

مضمون کے اختیار کرنے کی وجہ

جس کے متعلق ایک دوست نے مجھے مشورہ بھی دیا تھا کہ

اس شعر کا مضمون آج بیان کیا جاتا ہے، وہ شعر حضرت عراقی کا یہ ہے۔ ؎

ستانہ رہِ قلندر سزد ار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

مرشد مجھے دکھا دے راہِ قلندری اب - کہ راہ پارسائی ہے دراز و دور اے مرشد

اس وقت اس فرمائش کو میں نے قبول نہیں کیا تھا مگر رد بھی نہیں کیا تھا، وجہ یہ ہے کہ بیان بالکل اختیار میں نہیں نہ پہلے سے کوئی مضمون تجویز کیا جاتا ہے، عادت اللہ ہر ایک کے ساتھ جدا ہے، اکثر اور غالب معاملہ اپنے ساتھ یہی دیکھا جاتا ہے کہ عین وقت پر یا قریب کوئی مضمون خود تقاضا کرتا ہے قلب میں، ایسی ہی کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسی کو بیان کر دیا جاتا ہے جس عنوان سے بھی میسر ہوا۔ تو اس وقت گو اس فرمائش کو قبول نہیں کیا گیا لیکن رد کی بھی کوئی وجہ نہ تھی، بلکہ ذہن خالی تھا، مگر وقت کے قریب اسی مضمون کا تقاضا قلب میں پیدا ہوا،

میں نے اس وقت یہ سمجھا تھا کہ چونکہ یہ بیان ایک بزرگ کے مزار کے قریب ہے جو بزرگ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہیں (یعنے حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر قدس سرہ العزیز ۱۲ جامع) اس لئے یہ فرمائش کی گئی ہے، غرض میں یہ سمجھا تھا کہ یہ محض شاعری نکتہ ہے، اسی واسطے قلب نے اس فرمائش کو قبول نہیں کیا، لیکن بعد اس

سکے اس کی ضرورت بھی معلوم ہوئی۔

وہ ضرورت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر تو وہ ہیں کہ جنہیں اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں، بہت سے ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ نماز روزہ کے ساتھ تمسخر بھی ہے اور استہزاء بھی ہے، کوئی تہذیب کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، کوئی بد تہذیبی کے ساتھ تو فقط ترک ہی نہیں بلکہ استہزاء اور استخفاف بھی ہے، اور اگر خیر استہزاء اور استخفاف نہ بھی ہو تو اخلال اور سستی اور کسل تو ضرور ہے، استطاعت ہے اعمال کی مگر نہیں کرتے، نماز روزہ کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے، بد نگاہی سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے، غیبت سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے، پرائے حقوق سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے، سب و شتم، لڑائی جھگڑا، مکر و فریب ان سب سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے، کثرت سے تو ہم لوگوں کی یہی حالت ہے کہ گویا اعمال ہیں ہی نہیں بلکہ بجائے ان کے اعمال ہیں، یعنی معاصی میں مبتلا ہیں

اہل طریقت کی کوتاہیوں پر تنبیہ

اور زیادہ ایسے ہی ہیں مگر اس کی ساتھ ان لوگوں کو اپنے اعمال و طاعات کا دعویٰ بھی نہیں، اس لیے یہ لوگ اتنے زیادہ قابل شکایت نہیں جتنے قابل شکایت وہ لوگ ہیں کہ ان کے یہاں اعمال بھی ہیں،

تقویٰ بھی، طہارت بھی اور اپنے کو عابد زاہد بھی سمجھتے ہیں مگر ان اعمال میں روح نہ ہونے سے وہ اعمال ایسے ہیں جیسے بادام بلا مغز، یا دودھ بلا روغن، ان کے حال پر زیادہ تاسف ہے۔

اور وہ زیادہ قابل رحم ہیں دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ بیچاروں نے محنت بھی کی، مشقت بھی اٹھائی، مجاہدے بھی کئے مگر افسوس پھر بھی مقصود حاصل نہ ہوا، سارے دن چلے، دھوپ بھی، خاک پھانکی، پیروں میں آبلے پڑے مگر منزل پھر بھی نہ قطع ہوئی۔

قابل عبرت ایک حکایت

مجھے یاد ہے کہ میرے ایک عزیز نے رات کو سفر کا قصد کیا سواروں میں نوکر تھے، رخصت قریب ختم تھی، ملازمت پر واپس جارہے تھے، بھتیجے نے کہا بھی کہ اندھیری رات ہے اس وقت نہ جائیے، پریشان ہوجیے گا، لیکن نہیں مانا، کہا تم بچہ ہو، کیا سمجھو نوکری کا معاملہ ہے، رخصت ختم ہوگئی ہے میں کیسے رک سکتا ہوں۔ بھتیجہ نے کہا، بہت اچھا جائیے مگر پریشان ہوجیے گا۔

خیر صاحب چلے وہاں سے، رات ایسی اندھیری کہ چل تو رہے مگر کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جارہے ہیں، دو چار میل تو خیر ٹھیک چلے، کیونکہ اپنے گاؤں سے اتنی دور تک تو راستہ ہر شخص کو معلوم رہتا ہی ہے، بے دیکھے بھی آدمی جاسکتا ہے مگر آگے چل کر خدا معلوم

رخ کس طرف کو ہو گیا کہ راستہ بھولے اور ایسے بھولے کہ بھولنے کو بھی بھول گئے، اور بھولنا تو وہی ہے کہ بھولنے کو بھی بھول جائے
چنانچہ رستہ بھول کر خدا جانے کہاں کسے کہاں پہنچے، اور بالآخر خدا جانے کیسا چکر کھایا کہ پھر اسی رستے کو ہو لیے جس سے روانہ ہوئے تھے، اب وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم آگے چل رہے ہیں، اور حقیقت میں ہٹ رہے ہیں پیچھے۔
غرض ساری رات گھوم گھام کر صبح کو لوٹ کر پھر وطن شریف ہی میں آپہنچے، صبح صادق کا وقت تھا، ان کے مکان کے قریب جامع مسجد ہے جو بہت کرسی دار ہے اور اس کے فنا میں ایک برگد کا درخت ہے، جامع مسجد کو دیکھ کر کہا کہ اخاہ یہ کون سا گاؤں ہے جس کی مسجد بھی ایسی ہی ہے جیسی ہمارے گاؤں کی، پھر برگد ملا، کہا ارے میاں یہ تو درخت بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارے گاؤں کا یہ گاؤں تو ہمارے وطن کا مر کرتا ہے، بھائی یہ گاؤں بہت اچھا ہے آگے بڑھے تو اپنا سا مکان بھی معلوم ہوا، اب سمجھ میں آیا کہ کیا قصہ ہے، بھتیجے صاحب مکان سے نکل کر نماز کو جا رہے تھے۔
انھوں نے کہا السلام علیکم، کہا کون فلانے، کہا ہاں۔ کہا میاں یہ تو بتاؤ کہ میں ہوں کہاں۔ کہا وہیں ہو جہاں میں ہوں اور کہاں ہوتے۔ کہا ارے میاں میں تو رات بھر چلتا رہا اور پھر گھر کے گھر ہی میں رکھے ہوئے لاحول ولا قوۃ، یہ تو بڑی واہیات ہوئی

بھتیجے نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا لیکن آپ نے مانا ہی نہیں تو بڑا افسوس ہے ایسے مسافر پر جو ساری رات تو سفر کرے اور صبح کو پھر وہیں آجاوے، جہاں سے چلا تھا، تھکا بھی ماندہ بھی ہوا، وقت بھی صرف ہو پھر وہیں کا وہیں جہاں پہلے تھا۔

خیر یہاں یہ بات تو نہیں ہے کہ یہ شخص بالکل مشابہ ہے اس مسافر کے، یہاں راستہ کچھ نہ کچھ قطع تو ہوتا ہے لیکن بالکل ناتمام، یعنی ایسے جیسے چھکڑے کی چال کہ صبح سے شام تک تو چلا اور کتنا آیا دس میل، اور ایک ریل ہے کہ اتنے میں دو سو میل نکل گئی، اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ریل اور چھکڑے کی رفتار میں جو اس قدر تفاوت ہے تو اس کا سبب کیا ہے، ریل میں آخر وہ کیا چیز ہے جس نے اس کی رفتار کو اس درجہ تک پہنچا دیا ہے، سبب اس تفاوت رفتار کا یہی ہے کہ ریل میں مشین لگی ہوئی ہے، اسی نے اس کو ہوا بنا رکھا ہے اگر چھکڑے میں بھی ویسی ہی مشین لگا دیں تو اس میں بھی وہی بات پیدا ہو جاوے بالخصوص جب کہ اس میں مشین لگانا ممکن بھی ہو اور سہل بھی ہو تو حسرت ہے اس شخص پر جو پھر بھی مشین نہ لگائے۔

پھر ایسے لوگوں میں بھی بعض تو وہ ہیں جو متقی پرہیزگار ہیں اور بعض ایسے ہیں جو محض ریاکار ہیں، جس میں ریا اور نمائش ہے اس کی تو بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسی اس مسافر کی اور بعینہ وہی حالت ہے کیونکہ ریا حابط عمل ہے گو فرض تو سر سے اتر جاتا ہے،

لیکن مقبول نہیں ہوتا اور مقصود مقبولیت ہی ہے جب مقبول ہی نہ ہوا تو وہ پھر عمل ہی کیا ہوا، وہ تو لاشے محض ہوا، اس کی تو وہ پہلی ہی مثال ہے۔

خلوص اور ریاکاری کے نتائج

چنانچہ جو لوگ محض نمائش کے لئے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں، ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے، فرماتے ہیں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ قیامت میں سب سے اول ایک ایسے شخص کو لایا جاوے گا جو شہید ہوا ہوگا اللہ کے راستہ میں، اس کو بتلایا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ نعمتیں دی تھیں، وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اس سے پوچھا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا۔

وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اپنی جان دیدی، ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو، ہم کو خوش کرنے کے لئے جان نہیں دی بل لیقال انک جری بلکہ اس لئے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے فقد قیل تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا، دوم تمہارا مدعا پورا ہو گیا، پھر حکم ہوگا کہ

اس کو منھ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے۔

پھر بلایا جاوے گا ایک بڑے عالم کو اسی طرح اس سے پوچھا جاوے گا کہیے صاحب آپ نے کیا کیا، وہ کہے گا میں نے یوں وعظ کہے، یوں نصیحتیں کیں، یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا ارشاد ہوگا، یہ ہمارے واسطے نہیں کیا بل لیقال انک قاریٔ بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں، بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جایئے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں، ذرا غور کیجئے۔ یہ آیا ہے حدیث میں کہ اس کو بھی منھ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔

پھر ایک سخی صاحب لائے جاویں گے، ان سے بھی یہی سوال کیا جاوے گا، وہ کہے گا، میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کیا تھا، ارشاد ہوگا اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں بل لیقال انک جواد بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں، ان کی داد و دہش کا کیا کہنا ہے، بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں، اگر کوئی اور بھی سخی ہوگا تو فلانے کے برابر نہیں ہوگا فقد قیل سو جو تمہارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا، لہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمہارے دو بھائی جا چکے ہیں، چنانچہ اس کو بھی جہنم میں منھ کے بل پھینک دیا جاوے گا

تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں، علم دین، سخاوت

شہادت، اب ان سے بڑھ کر اور کون عمل ہو گا، لیکن دیکھ لیجیے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے، وجہ یہ کہ اس شخص کا عمل صرف صورت عمل ہے حقیقتاً عمل ہی نہیں، اور واقعی جو لوگ محض ریاکار ہیں انکا تو وہی حال ہے کہ

از بروں چوں گور کافر پر حلل | واندروں قہر خدائے عزوجل
ظاہر میں کافر کی گور کی مانند سجا ہوا | اور تیرے اندر خدائے عزوجل کا قہر بھرا ہوا

از بروں طعنہ زنی بر بایزید | واز درونت ننگ می دارد یزید
ظاہر میں تو بایزید جیسے ولی پر طعنہ زن ہے | اور تیرا دل یزید کے دل سے بھی بدتر ہے

ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوئی، اور بعض وہ لوگ ہیں جن کے عمل ریا سے تو نہیں ہیں، خلوص کے ساتھ ہیں مگر ناتمام اور غیر مکمل گویا جسد بلا روح ہیں، خیر وہ کچھ ہیں تو سہی مگر ایسے ہی ہیں جیسے چھکڑے کی رفتار بمقابلہ ریل کے، تو اگر کوئی نادان ایسا ہو کہ اس کو ریل عطا کی گئی ہو جس میں انجن بھی ہے اور سامان آگ کا بھی موجود ہے مگر صرف آگ ڈالنے اور مشین چلانے کی کسر ہے اگر اس میں آگ چھوڑ دی اور بھاپ پیدا کر دی تو پھر وہ ریل ہے کہ صبح سے شام تک دو سو تین سو میل جنگل گئی بلکہ زیادہ، نہیں تو بس ایک ٹھیلہ ہے، تو انجن بھی موجود اور آگ کا سامان بھی موجود لیکن بے وقوف ڈرائیور ہے کہ اس کو دھکیلتا ہے دھکیلنے کیلئے اول تو نیچے اترنا پڑتا ہے پھر بہت کچھ زور بھی لگانا پڑتا ہے گو اس طرح دھکیلنے سے بھی وہ چلتی ہے کیونکہ آخر لوہے کی سڑک پر ہے مگر کتنی صبح سے شام تک دو تین چار میل بس، اور جہاں چھوڑ دیا بس کھڑی

ہو گئی، اگر فوراً نہیں تو کچھ دور چل کر ہی، غرض دھکیلنے سے دن بھر میں دو چار میل چل سکتی ہے اور بہت سے بہت دس میل، اگر کوئی بہت ہی قوی ہوا اور برابر چلا گیا دھکیلتا ہوا، تو اس شخص مذکور کی حالت اس کے مشابہ ہے، اور یہ حالت بھی قابل افسوس ہے، ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ تقویٰ بھی، طہارت بھی، ظاہری حالت بھی درست، ڈاڑھی بھی نیچی، پائیچے بھی ٹھیک، نماز بھی، روزہ بھی، یہ سب کچھ مگر ساتھ ہی اس کے روح جس کو میں آگے بیان کروں گا وہ نہیں،

غرض ہر عمل بے روح ہے یعنی کم جان ہے گو بالکل بے جان نہیں اس کی رفتار ایسی ہی سست ہے جیسی ٹھیلہ کی، حق سبحانہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ایک انجن گاڑی اس شخص کو دی جس کی کلیں بہت اچھی اچھی ہیں، بھاپ بنانے کیلئے سب سامان بھی دیا کوئلہ بھی، پانی بھی، دیا سلائی بھی، مگر آگ سلگائے کون اور بھاپ بنائے کون، اس کی بلا، سستی کیوجہ سے ہاتھ پاؤں کو اتنی حرکت دینا بھی گراں ہو رہا ہے، تو یہاں کسر کاہے کی ہے، صرف بھاپ کی اور آگ سلگانے کی، چونکہ بھاپ نہیں ہے اسلئے رفتار تیز نہیں ہے، اس وقت اسی بھاپ کو ذکر کیا جا رہا ہے اور یہی مراد ہے میری روح سے، اور بھاپ نہ تو موجود ہے نہ اسکی فکر و کوشش ہے، اسی کو حضرت عراقی رحمۃ اللہ نے اس شعر میں ذکر کیا ہے، اشارۃً ؎

صنما رہ قلندر سزوار بمن نمائی　　　　که دراز و دور دیدم رہ رسم پارسائی

تو یہ ضرورت میری سمجھ میں آئی اس مضمون کی اور اسلئے یہ مضمون باوقعت معلوم ہوا کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی کی تکمیل ہے، اور اسی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا اور اس ضروری چیز کی شرح اور تعیین میں آگے چل کر کروں گا مگر اجمالاً حضرت عراقی کے اس شعر سے سمجھ میں آجاویگی، اصل تو یہ وجہ ہے اس شعر کے مضمون کو اختیار کرنے کی، باقی اس میں وہ شاعری نکتہ بھی ہے جس کی بنا پر میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا یعنی مقام بیان میں اس لقب کے ایک بزرگ کے مزار کا ہونا، مگر ممکن ہے ان کا ذہن بھی اس مضمون کی ضرورت کی طرف بھی گیا ہو، بہرحال دو نکتے جمع ہو گئے، ایک تو یہ کہ فی نفسہ بھی یہ مضمون ضروری ہے دوسرے خصوصیتِ مقام سے اسکا استحسان اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ جس مقام پر یہ بیان ہو رہا ہے وہاں ایک ایسے بزرگ کا مزار مبارک ہے جو اس لقبِ قلندری کے ساتھ مشہور ہیں، نیز ایک برکت کی بھی انشاء اللہ تعالیٰ توقع ہے، پھر چونکہ یہ وعظ ایک بزرگ کے ساتھ نامزد ہے اس لئے بھی امید اس مضمون کے نافع ہونے کی ہے مگر یہ سب درجہ تائید و تزئین میں ہے، یہ نکتے درجہ مقصودیت میں نہیں۔

اصل مقصود کی طرف رجوع

بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مجھے اس وقت اس طریق کو بیان کرنا ہے جس کے متعلق ہم میں کمی ہو رہی ہے اور جس کی طرف اب

ہمارا التفاف نہیں رہا، اس وجہ سے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے، توحق سبحانہ تعالیٰ نے جو مضمون اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وہ اس طریق کی تفصیل ہے، البتہ قرآن میں یہ اصطلاح نہیں ہے اور یہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہے مقرر کرلے، تعبیر کرنے والے کو اختیار رہے جس اصطلاح میں چاہے کسی مضمون کو تعبیر کرے گو اس آیت میں یہ اصطلاح نہیں ہے لیکن یہ مضمون ہے وہی، چنانچہ تفصیل سے معلوم ہو جائیگا لیکن اس کے قبل ممکن ہے کہ کسی کو اس شعر کے متعلق ایک شبہ ہو اسکو رفع کیے دیتا ہوں، وہ شبہ یہ ہے کہ حضرت عراقی نے اس شعر میں رہِ قلندر اور رہِ پارسائی کو متقابل فرمایا ہے، فرماتے ہیں ع صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی۔ اے مرشد مجھکو قلندر کا راستہ بتلادیجیے ع کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی، کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور و دراز ہے، یہ ترجمہ ہے اس شعر کا، اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ قلندر کا رستہ پارسائی کے رستہ کے متقابل ہے، تو گویا اس طرح قلندری میں پارسائی نہ ہوتی ہوگی، یعنی آدمی بالکل آزاد اور رند بے قید ہو جاتا ہوگا اسے ڈاڑھی رکھنی بھی ضروری نہ رہتی ہوگی، اس پر نماز بھی فرض نہ رہتی ہوگی، شراب بھی اسے حلال ہو جاتی ہوگی، غرض حرام حلال کی تمیز نہ رہتی ہوگی، شاید طریق قلندری کا خلاصہ ذہنوں میں یہی ہوگا تو اللہ بچاوے ایسے طریق سے، غرض کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے اس شعر کے مضمون سے اسکو پہلے رفع کیے دیتا ہوں، کیونکہ اسکا رفع

کرنا فی نفسہ بھی ضروری ہے، نیز اس کی اس بیان میں بھی ضرورت ہوگی جو مجھے اس وقت کرنا ہے اور یہ اس بیان میں معین بھی ہوگا۔ اب یہاں ضرورت ہے تھوڑے سے علم درسی کی مگر خیر میں حتی الامکان آسانی سے سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ غیر اہل علم بھی بقدر ضرورت سمجھ سکیں تقریر اسکی یہ ہے کہ عراقیؒ کے شعر میں جو طریق قلندری و طریقِ پارسائی میں تقابل واقع ہوا ہے وہ ظاہر سیاق سے تبائن پر ضرور دال ہے جس کیلئے عدم تصادق لازم ہے لیکن تبائن و عدم تصادق کے لئے تنافی و عدم اجتماع ضروری نہیں، دیکھئے کل میں اور اسکے اجزاء خارجیہ میں تبائن و عدم تصادق متحقق ہے لیکن تنافی نہیں اور اجتماع ہوتا ہے جیسے بیت کے لئے جدار اور سقف اجزاء خارجیہ ہیں جن میں باہم تصادق نہیں بلکہ تقابل ہے لیکن ایک کل ہے دوسرا جزو اور دلائل سے ثابت ہے جس کا کافی بیان اس وعظ میں بھی ہے کہ طریق قلندری کے دو جزو ہیں، ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی اور دوسرا محبت، اور طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا اور چونکہ یہ اجزاء خارجیہ ہیں اُن میں تصادق تو نہیں مگر کلیت و جزئیت کا تعلق ہے، پس طریق قلندر کل ہوا اور طریق پارسائی اسکا ایک جزو ہوا، اور جزو کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم ہے پس طریق پارسائی جہاں منتفی ہوگا وہاں طریق قلندری بھی منتفی ہوجاویگا سو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ محض طریق پارسائی کافی نہیں جو کہ ایک جزو ہے طریق

قلندری کا، بلکہ طریق قلندری مطلوب ہے جس میں دونوں جزو جمع ہیں، طریق پارسائی بھی اور طریق محبت بھی، بس اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا

محبت اور اعمال کا فیصلہ

باقی اب یہ دوسری تحقیق ہے کہ ان دونوں میں اصل کون ہے محبت یا اعمال، اسکا فیصلہ بھی ہوا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ طریق قلندر وہ طریق ہے جو مرکب ہو محبت اور اعمال دونوں سے، آگے ایک اصطلاحوں کا فرق ہے جو اصطلاح متقدمین میں پائی جاتی ہے اسکے اعتبار سے رند قلندر میں یہ بھی قید ہے کہ جس میں اعمال کی تقلیل ہو، یعنی اعمال ظاہرہ مستحبہ کی، کیا معنی کہ بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں بلکہ محبت کی خاص رعایت ہو، یعنی تفکر اور مراقبہ زیادہ ہو، ایک تو اصطلاح یہ ہے اور ایک اصطلاح اور ہے یعنی خواہ ان اعمال کی تکثیر بھی ہو مگر غلبہ آزادی کو ہو، لیکن آزادی خلق سے نہ کہ خالق سے، کیا معنی کہ قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پروا نہیں ہوتی نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے، مثلاً ہم یہ بھی نظر کرتے ہیں کہ بھائی ایسا نہ کہو، کوئی کیا کہے گا، اور مثلاً ہم لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ فلانے کو کچھ مت کہو برا مانے گا وحشت ہوگی بھائی مگر بشرطیکہ ان رعایتوں کا شریعت سے اذن بھی ہو اور قلندر کو اسکی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ کوئی برا مانے گا یا بھلا مانے گا اسکا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے، غرض وہ آزاد ہوتا ہے

مصالح سے اس کی مصلحت صرف ایک ہوتی ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار ؛ بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

میری نظر میں یہی بہتر ہے کہ تمام انسان ہر کام چھوڑیں اور صرف اسی کے ہو جائیں

اس کی بڑی مصلحت یہی ہوتی ہے کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کر دو

اس کی تو بس یہ حالت ہوتی ہے ؎

دلا رامے کہ داری دل درو بند وگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اپنے محبوب ہی کا دل میں دھیان رکھ اور اپنی آنکھ کو تمام عالم سے بند کر لے

اور اس کا یہ مشرب ہوتا ہے ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بہ کس نگاہے

دنیا کی رنگینیوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں میری آنکھ اس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتی

سوائے محبوب کے کسی پر اس کی نظر ہی نہیں پڑتی بجز ایک کے سارے جہاں کو انھوں نے ہیچ اور فنا کر دیا ہے جب انھوں نے اپنے ہی کو ہیچ اور فنا کر دیا تو پھر دوسرے پر کیا نظر کریں ، کہتے ہیں نا ۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

جب اپنی ہی ہستی مٹا دی تو دوسروں کی ہستی کی انھیں کیا پروا

مشہور ہے کہ جب اپنی ہی ٹوپی اتار دی تو پھر دوسروں کی ٹوپی کی کیا پروا جب وہ اپنی ہی ہستی کو مٹا چکا تو دوسروں کی ہستی کی پروا اسکی جوتی کو ایسے شخص کو اصطلاح صوفیہ میں حُر کہتے ہیں ، بعض صوفیائے کرام نے قرآن مجید میں سے ایک لطیفہ نکالا ہے ، حضرت مریم علیہا السلام

کی والدہ کے اس قول سے سمجھئے اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔ اے اللہ میں تیرے نذر کرتی ہوں جو کچھ میری نیت میں ہے اور تیرے راستہ میں اسے آزاد کرتی ہوں، اسکا یہ تھوڑا ہی مطلب ہے کہ وہ غلام تھا اب اسے آزاد کرتی ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں اسے تیرے ہی لئے خاص کرتی ہوں اے اللہ میاں یہ خالص تمہارا ہے تمہارے دین کی خدمت میں ساری عمر رہیگا تو حُر کے معنی خالص کے ہوئے، چنانچہ اہلِ لغت نے لکھا ہے طِین حُر یعنی وہ مٹی جس میں کنکر وغیرہ نہ ملا ہو، حُر خالص مٹی کو کہتے ہیں، یہاں بھی حُر کے معنی ہیں خالص اللہ کا، اور اب تو خالص کے وہ معنی ہو گئے جو نخالص کے ہیں یعنی ایسا میلا جیسا میل والا گھی، سو آج کل کے خالص تو واقعی بالکل نخالص ہیں یعنی اسکے جو اصلی معنی ہیں اس معنی کر نہیں، جیسے عوام پوچھتے ہیں کہ یہ گھی نخالص ہے بیچنے والا کہتا ہے ہاں بالکل نخالص ہے، ایسے ہی احرار کی دو قسمیں ہیں ایک خالص ایک نخالص، نخالص کون، جس میں میل ہو، میل کاہے کا ہو، حُبّ دنیا کا میل ہو، حب غیر کا میل ہو معصیت کا، شرک کا، کفر کا، یعنی آج کل آزاد اسکو کہتے ہیں جو شریعت سے آزاد ہو، اللہ اکبر ایسا شخص بھی کہیں آزاد کہا جا سکتا ہے، حضرت یہ تو وہ آزاد ہے جو ہزاروں قیدوں میں ہے یعنی معصیتوں میں مبتلا ہے پھر آزادی کہاں رہی کیونکہ معصیت کی قید تو سب قیدوں سے سخت قید ہے، غرض بے قید

کوئی نہیں، کوئی خدا کی قید میں ہے کوئی شیطان کی قید میں، بہر حال قید سے تو کوئی خالی نہیں، اب اسکا فیصلہ خود کر لو کہ کونسی قید پسند کے قابل ہے، حضرت سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اسیرش نخواہد رہائی ز بند | شکارش نجوید خلاص از کمند

اسکی محبت کا قیدی قید سے آزادی نہیں چاہتا، اور اسکے عشق کا شکار جال سی چھٹکارا نہیں چاہتا

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم | غیر زلفِ آں نگارِ مقبلم

سیکڑوں زنجیریں توڑ ڈالوں | مگر زلفِ معشوق کی زنجیر توڑنا گوارا نہ کروں

یعنی اگر سیکڑوں میں بھی ڈال دیا جاؤں تو ساری قیدیں توڑ ڈالوں مگر معشوق کی زلف کی قید کہ اسکو توڑنا ہرگز گوارا نہ کروں، کیونکہ یہ قید تو محبوب قید ہے، غرض قید بھی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک تو محبوب قید اور ایک ناگوار قید، دیکھو تو سہی اگر عاشق کو کسی دعوت کیلئے پکڑو تو وہ رستے توڑ کر بھاگے گا کہ ہمیں دعوت سے کیا مطلب ہم تو آزاد ہیں، اب فرض کرو اسی رو میں محبوب بھی آگیا اور اس نے بھی کہا چلو میاں تمہاری آج دعوت ہے ہمارے یہاں، اور وہ اس سے بھی کہدے کہ نہیں جناب میں تو آزاد ہوں میں دعوتوں میں نہیں جایا کرتا، کوئی اس سے کہے کہ ارے احمق جس کی بدولت تو آزاد ہوا ہے اسی کے یہاں تو آج دعوت ہے جس کیلئے تو نے سارے تعلقات قطع کئے آج کی دعوت اسی شخص کے تعلق سے مسبب ہے اس کی دعوت میں بھی جانے سے

تو آزاد بنتا ہے تو تو عاشق ہی نہیں یہ اچھی آزادی ہوئی صاحب کہ نماز بھی چھوڑ دی، روزہ بھی چھوڑ دیا، یہ آزاد کہاں سے ہوا، یہ تو ہزاروں قیدوں کے اندر جکڑا ہوا ہے، آزاد وہ ہے جو غیر اللہ سے آزاد ہو، جو خالص اور حُر ہو، تو قلندر کے یہ معنی ہیں -

قلندر کے اصلی معنی

خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس میں اعمال غیر واجبہ کی تقلیل ہو اور متأخرین نے اسکے معنی میں وسعت کی ہے یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں لیکن ایک نکتہ کی بناء پر یہ دونوں اصطلاحیں موافق بھی ہو جاتی ہیں، یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ میں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہل اعمال کے تو وہ عمل میں بھی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اسکا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دونوں چیزیں جمع ہیں ان میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے، پس اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی ہے عمل تو کامل ہے ہی مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے، اس تقریر سے یہ دونوں

اصطلاحیں باہم متوافق ہوگئیں۔

قلندر کے وہ معنی غلط اور بدعت ہیں جن کو جہلا نے گڑھا ہے

اب ایک اور تیسری اصطلاح جہلاء کی ہے جو بالکل بدعت ہے کہ قلندر وہ ہے چار ابرو کا صفایا کر دے اور نماز روزہ سب کو رخصت کر دے، ایسے شخص کو جہلاء کہتے ہیں کہ صاحب یہ قلندر ہیں، استغفر اللہ وہ کیا قلندر ہوتا، ہاں اگر کوئی معذور ہو غیر مکلف ہو، مثلاً مجنون ہے دیوانہ ہے تو وہ مستثنیٰ ہے یعنی خدا کے یہاں اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا یہ دوسری گفتگو ہے کہ آیا وہ کامل بھی ہے، سو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ نہ وہ کامل ہے نہ مکمل، کیونکہ مکمل ہونے کیلئے خود کامل ہونا ضروری ہے تکمیل کے لئے کمال شرط ہے، جو خود ہی درزی کا کام نہ جانتا ہو وہ دوسرے کو سینا کیوں کر سکھا سکتا ہے تو مجاذیب اور بہلول جو ہوتے ہیں چونکہ یہ خود کامل نہیں ہوتے لہذا دوسرے کی تکمیل بھی نہیں کر سکتے، کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بہ قدم ہو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جس کا ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے یعنی ہر امر میں اور ہر حال میں پیغمبر ہی اسکے قبلہ و کعبہ ہوں، اس کے ظاہر کا قبلہ حضور کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور کا باطن ہو اس کو خوب سمجھ لیجئے، دیکھئے تو سہی نماز کی صحت کیلئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے، ہاں قبلہ سے تھوڑ فرق ہو تو خیر

مضائقہ نہیں، نماز صحیح ہو جائیگی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قرأت میں بھی کچھ تقلیل ہو مگر ہو قبلہ رخ تب ہی نماز کی صحت متحقق ہوگی اور اگر مشرق کیطرف منہ کر کے نماز پڑھی تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قرأت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی دیکھو یہ مسجد بنی ہوئی ہے (بیان مسجد سے متصل ہو رہا تھا ۱۲ جامع) اس کی سمت کیطرف نماز صحیح ہو جاتی ہے وجہ کیا کہ یہ مسجد خانہ کعبہ کیطرف گویا منہ کئے ہوئے ہے لہذا جو کوئی اسکی طرف اپنا منہ کر کے نماز پڑھیگا چاہے دو رکعت ہی کیوں نہ ہوں اس کی نماز صحیح ہو جائیگی برخلاف اس مسجد کی سمت کے مقابل مشرق کی جانب اگر آپ اس مسجد کی ایک شکل بنا کر (کیونکہ وہ مسجد کیا ہوگی مسجد کی محض شکل ہی ہوگی) اس میں نماز پڑھیں جس میں اتنی لمبی لمبی سورتیں ہوں کہ ایک رکعت میں تو سورۂ بقر ہو دوسری میں سورۂ آل عمران، پھر تیسری میں سورۂ نساء اور چوتھی میں سورۂ مائدہ، غرض چار رکعتوں میں یہ بڑی بڑی صورتیں ختم کی گئیں اب آپ ہی کہئے یہ نماز کیسی ہوئی، بالکل ہیچ در ہیچ، اس پر تو ثواب تو کیا ملتا بلکہ اور عذاب ہوگا، تو اس نماز میں کیا چیز کم ہے فقط کمی یہ ہے کہ رخ قبلہ سے ملا ہوا نہیں ہے اسکے سوا اور کوئی کمی نہیں، شکل بھی نماز کی، مسجد کی بھی ساری ہیئت وہی لیکن تحریف قبلہ کے سبب وہ نماز ہرگز مقبول نہیں بلکہ مردود ہے، نماز بھی اور نمازی بھی، تو ہمارے اعمال کا قبلہ و کعبہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہیں جس عمل کا رخ اس قبلہ کیطرف

ہوگا وہی مقبول ہوگا، پس ہمارے ظاہر کا قبلہ پیغمبر کا ظاہر ہے اور باطن کا قبلہ پیغمبر کا باطن یعنی ہماری ظاہری حالت وہ ہونی چاہیے جو حضورؐ کی ظاہری حالت تھی، یعنی آپ کپڑا پہنتے تھے، ہمیں بھی ننگا نہیں رہنا چاہیے، آپ ڈاڑھی رکھتے تھے، ہماری ڈاڑھی بھی منڈی یا کٹی نہ ہونا چاہیے، آپکے ٹخنے کھلے ہوئے رہتے تھے، ہمارے بھی کھلے رہنے چاہئیں، اور یہ ہی نہیں کہ حضور کے ٹخنے کھلے رہتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نے ٹخنے ڈھانکنے سے منع بھی فرمایا ہے اسی طرح حضورؐ کے ناخن ترشے ہوئے اور لبیں بنی ہوئی رہتی تھیں، یہ ہی حالت ہمارے ناخنوں اور لبوں کی ہونی چاہیے، غرض ہمارا ظاہر بالکل مشابہ ہونا چاہیے حضورؐ کے ظاہر کے کہ بس صورت دیکھتے ہی معلوم ہوجائے کہ یہ غلام ہے ایسے آقا کا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید الہ آباد کے رہنے والے تھے میں الہ آباد گیا ہوا تھا، وعظ کے اندر دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے شخص ڈاڑھی منڈی ہوئی خوب گورے چٹے گوٹہ ٹھپے کے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں، جاڑے کے دن تھے، رضائی اوڑھے ہوئے تھے اس پر بھی گوٹہ اور چمک لگی ہوئی تھی، وعظ کے بعد میرے پاس آکر بڑی محبت سے بولے کہ مولوی منھ کھولدے، میں نے دل میں کہا کہ جب یہ

ایسی محبت سے کہہ رہا ہے تو لاؤ منھ کھولدوں، میرا کیا بگڑتا ہے کوئی
تھوک تو دیگا نہیں، غرض میں نے اپنا منھ کھول دیا، اس نے فوراً ہی
ایک لڈو میرے منھ میں رکھ دیا، میں نے کھالیا کہ خدا کی نعمت ہے کسی
کے ہاتھ سے دلوائیں، میں نے پوچھا تم کون ہو، یہ سنتے ہی اسکی آنکھوں
سے آنسو جاری ہو گئے، تھا صاحب محبت، غلطی میں مبتلا تھا مکار نہ تھا
دکاندار نہ تھا، زار زار آنسو بہہ رہے تھے، وہ خود ہی شرمندہ تھا اپنی اس
حالت پر رو کر کہا، اس نالائق کو بندہ امداد اللہ کہتے ہیں، مجھ کو بھی رحم آگیا
آخر پیر بھائی کا خیال ہوتا ہی ہے اور نہ بھی ہوتا پیر بھائی تو کیا تھا، جو
شرارت اور سرکشی نہ کرے اور اپنے آپکو خطاوار سمجھے اس پر رحم ہی آتا ہے
البتہ شرارت کرنیوالے پر غصہ آتا ہے، خیر میں نے ان سے بات چیت کی
اور مناسب تسلی دی، اسوقت تو ان سے مفصل گفتگو کرنے کا موقع ملا
نہیں، اتفاق سے ایک مرتبہ گنگوہ گیا ہوا تھا، وہ بھی وہاں چلتے پھرتے
آگئے، میری جو خبر سنی تو اطلاع کر کے مع ایک مجمع عظیم کے میرے پاس
پہنچے اور آتے ہی پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈالدیا، میں نے ہار تو ہاتھ
میں لے لیا اور انبساط کیلئے پوچھا یہ کیسے ہیں، کہا ہم ایک باغ میں
گئے تھے، عوام الناس ایسوں کے بڑے معتقد ہوتے ہیں، سمجھتے ہیں
کہ قطب الاقطاب ہیں، ارے قطب الاقطاب ہوتے تو داڑھی کہاں
جاتی مگر ان کے نزدیک تو داڑھی کا نہ ہونا ہی دلیل قطبیت کی ہے اگر یہ
بات ہے تو پھر سارا چین اور جاپان بس اقطاب اور اغواث ہی

سے بھرا پڑا ہے کیونکہ وہاں قدرتی طور پر کسی کے داڑھی مونچھ نکلتی ہی نہیں، غرض ایسوں کو برکت کیلئے کوئی باغ میں لے جاتا ہے کوئی کھیتوں پر لے جاتا ہے، ان حضرت کو بھی کوئی اپنے باغ میں لے گیا ہوگا غرض انھوں نے کہا کہ ہم ایک باغ میں گئے تھے، باغ والے نے پھول دیدیئے تھے سو کچھ تو حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھائے، جی چاہا کہ کچھ تمہیں بھی دیں، کیونکہ وہ پیارے تھے مردوں میں اور تم پیارے زندوں میں، اپنے پیاروں کو اچھی چیز دیا ہی کرتے ہیں، یہ انھوں نے تقریر کی، بڑا مجمع تھا۔

مزاروں پر پھول چڑھانے کی قباحت

میں نے کہا شاہ صاحب یہ پھول جو آپ نے شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں آپکے نزدیک تو بڑی چیز ہیں لیکن ایک مثال فرض کرو اگر کوئی شخص ہو جو سو روپیہ تولہ کا عطر سونگھنے والا ہو اور تم چار آنہ تولہ کا عطر بہت ہی گھٹیا اور چکٹا ہوا لیجاؤ اور جاکر اس کے ناک میں دیدو تو کیسا ہے کیا یہ ایذا رسانی نہیں ہے، کہا بے شک، میں نے کہا اچھا اب یہ بتاؤ کہ حضرت شیخ تمہارے نزدیک شمائم وروائح جنت سے مشرف ہیں یا محروم ہیں، کہنے لگے معاذ اللہ کون کہہ سکتا ہے کہ محروم ہیں، میں نے کہا تو بس یہ جو پھول تم نے حضرت شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں دو حال سے خالی نہیں، یا تو ان کو خوشبو پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی ہے

اگر نہیں پہنچتی تو پھول چڑھانا بیکار اور اگر پہنچتی ہے تو ان جنت کے پھولوں کے مقابلہ میں جو حضرت شیخ کو حاصل ہیں تمہارے یہ دنیا کے پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا چکٹا ہوا عطر ہے یا نہیں، کہا بے شک، میں نے کہا تو بس یہ تو وہی مثال ہوئی کہ سو روپیہ تولہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ تولہ کا سڑا ہوا عطر دیدیا تم نے پھول چڑھا کر حضرت شیخ کی روح کو تکلیف پہنچائی، کہنے لگے میں توبہ کرتا ہوں، یہ مسئلہ آج سمجھ میں آیا ہے، اب کبھی کسی کے مزار پر پھول نہ چڑھاؤں گا میری توبہ ہے، اس کے بعد ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں گئے اور لوگ وضو کرنے لگے اور وہ ایک طرف بیٹھ گئے، میں ان کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے کہا کہ تم میرے پیر بھائی ہو، اس لئے تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ تمہیں حضرت حاجی صاحب سے محبت ہے یا نہیں، بس رونے لگے، کہا میں تو عاشق ہوں

میں نے کہا پھر عاشق ہو کر کیوں اپنے محبوب کی مخالفت کرتے ہو، کیا حضرت حاجی صاحب کی ایسی ہی داڑھی تھی، کہا میں توبہ کرتا ہوں، میں اب کبھی داڑھی نہیں منڈواؤں گا، صاحب انھوں نے داڑھی منڈانے سے بھی توبہ کرلی۔

میں اس شبہ میں رہا کہ کہیں منھ دیکھے کی توبہ تو نہیں ہے مگر پھر جو میرا الہ آباد جانا ہوا تو رستہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص خوب مقطع داڑھی لئے ہوئے سامنے سے چلے آرہے ہیں، میں نے پہچانا

بھی نہیں، ایک شخص نے بتایا کہ یہ غلام ہیں، تب تو میں بہت خوش ہوا اور بغل گیر ہو کر ملا،

تو ان کی اصلاح اسی اصول سے کی گئی کہ جب تمہاری صورت حضرت حاجی صاحب جیسی نہیں پھر تم ان کے عاشق کیا ہوئے تو قلندر کے معنی نہیں ہیں کہ اپنا ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے خلاف رکھے، نہ بزرگوں کے کلام میں کہیں اس کے یہ معنی منقول ہیں محض لغو اصطلاح ہے اور اس غلط اصطلاح کے ہونے سے ایک اور خرابی ہو گئی وہ یہ کہ جن بزرگان دین کا جو میں علماء بھی تھے قلندر لقب ہو گیا۔

چنانچہ حضرت قلندر صاحب، صاحب مزار بھی عالم تھے عوام ان کی نسبت اس لفظ کو سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرات بھی ایسے ہی ہوں گے کہ نہ داڑھی نہ مونچھ نہ نماز نہ روزہ

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حاشا و کلا یہ حضرت نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں ہوئے جنہوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو، حتیٰ کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بھی ہو گئی ہے تو اپنی اس حالت کو ناقص سمجھا ہے، اور کبھی اس پر اصرار نہیں کیا، نہ کہ نعوذ باللہ اس کو قصداً اختیار کرتے۔

سارے بزرگوں کا ایک ہی طریق ہے

غرض یہ بالکل تہمت ہے کہ بعض بزرگوں کا طریق خلاف شریعت بھی رہا ہے، سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کل ما ردہ الشریعة فہی زندقہ یعنی جس حال یا جس قال کو شریعت رد کرے وہ بالکل الحاد اور زندقہ ہے۔

حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں، بہوا پری مگسے باشی، برآب روی خسے باشی دل بدست آر کہ کسی باشی، اگر بزور کرامت ہوا پر بھی اڑو گے تو کیا ہے گویا مکھی ہو جاؤ گے کہ وہ بھی تو ہوا میں بلا تکلف اڑتی ہے، پانی پر چلو گے تو یوں سمجھو کہ ایک تنکا ہو گئے کیونکہ وہ بھی تو پانی کی سطح پر بہتا ہوا جاتا ہے، ہاں اپنے دل کو قابو میں کرو تب انسان ہو گے۔ اور اسی قسم کے بہت سے اقوال ہیں میری کتاب تعلیم الدین میں جمع ہیں اس میں دیکھ لیجئے۔

حضرت جنیدؒ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے نحن وصلنا فلا حاجة لنا الی الصلوٰة والصیام، ہم واصل ہو گئے ہیں، لہٰذا ہمیں حاجت نہیں رہی نماز کی اور نہ روزہ کی، حضرتؒ نے اس کے جواب میں فرمایا صدقوا فی الوصول ولکن الی السقر، یہ تو دو سچ کہتے ہیں کہ واصل ہو گئے ہیں، لیکن جہنم واصل ہوئے ہیں، خدا واصل نہیں ہوئے۔

پھر ارشاد فرمایا ولو عمرت الف عام لما ترکت من اورادی شیئاً الا بعذر شرعی، یعنی اگر ہزار برس بھی میں زندہ رہوں تب بھی نماز تو بڑی چیز ہے کیونکہ فرض ہے، وظیفے جو محض مستحب ہیں بلکہ بعض مستحب کے درجہ میں بھی نہیں، یہ بھی کبھی نہ چھوڑوں الا بعذر شرعی، ہاں کوئی عذر شرعی لاحق ہو جاوے تو مجبوری ہے، ورنہ کوئی وظیفہ تک بھی کبھی نہ چھوڑوں۔

حضرت جنید رحؒ کی معمولات پر استقامت

چنانچہ حضرت جنید رحؒ اخیر عمر تک ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے وظیفے وظیفہ تو وظیفہ تسبیح رکھنا تک بھی عمر بھر نہ چھوڑا، حالانکہ تسبیح کا رکھنا نہ سنت نہ مستحب کچھ بھی نہیں، نہ موقوف علیہ کسی وظیفہ کا نہ کسی وظیفہ کے لئے شرط، نہ منتہی ہو جانے کے بعد حضرت جنید کو اس کی حاجت باقی رہی تھی کیونکہ مبتدی کے لئے تو خیر وہ آلہ تذکر بھی ہو سکتی ہے منتہی تو تذکر میں راسخ ہو جاتا ہے۔

اسی لئے منتہی کی شان میں لکھا گیا ہے خلوت و جلوت و ازم نہ ماند مگر اس پر بھی حضرت جنید رحؒ نے اس اپنی ابتدا کی حالت کو بھی نہ چھوڑا۔

کسی نے عرض بھی کیا کہ حضرت اب تو آپ منتہی اور واصل اور کامل ہو چکے ہیں، اب آپ کو ہر وقت ہاتھ میں تسبیح [illegible]

کی کیا ضرورت ہے۔

فرمایا ارے اس تسبیح ہی نے تو مجھے واصل بنایا ہے اور اس درجہ تک پہنچایا ہے، پھر کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دوں اسی کی بدولت تو یہاں تک پہنچ گیا اسی کو رخصت کر دوں، اسی نے تو محبوب تک پہنچایا ہے، تو پھر یہ بڑی ناشکری ہے کہ آج اس کو جواب دیدوں۔

اللہ اکبر کیسے تھے یہ حضرات، جناب یہ ائمہ طریق ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ناواقف تھے یا خشک ملا تھے، یہ لوگ بڑے عارف کامل اور عاقل گزرے ہیں، ان کے یہ اقوال اور افعال ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک شخص دس برس رہا، چلتے وقت عرض کیا کہ حضرت میں نے اتنی مدت خدمت میں قیام کیا لیکن کبھی کوئی کرامت آپ کی نہیں دیکھی، میں نے سنا تھا کہ آپ بہت بڑے کامل ہیں، اسی لئے خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ کچھ فیض حاصل کروں گا مگر اتنی مدت قیام کو گذر گئی کوئی کرامت آپ سے صادر نہ ہوئی۔

یہ سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، جوش میں آکر فرمایا کہ اچھا یہ بتلا جنید سے تو نے اس عرصہ میں کوئی فعل سنت کے خلاف بھی کبھی دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں، یہ بات تو نہیں دیکھی

اس پر آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ ارے پھر اس سے

بڑھ کر جنید کی اور کیا کرامت ہوگی کہ اس نے تیس برس تک اپنے خدا کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا، اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت تو جنید کی دیکھنا چاہتا ہے، واقعی اس سے بڑھ کر کیا کوئی کرامت ہو سکتی ہے، حقیقی کرامت تو یہی ہے، بڑی کرامت تو استقامت ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔

اسی واسطے خدا تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور صراط اہل الکرامات نہیں فرمایا، خوب سمجھ لو شریعت کا اتباع کسی حال میں متروک نہیں، سب بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کی شانِ اتباع

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ اور صاحب حال وقال درویش ہیں، انھیں کے مکتوبات کو دیکھ لو، کوئی مکتوب اتباع شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں۔
غرض یہ طریقہ تھا بزرگوں کا، تو یہ معنی قلندر کے بالکل گھڑے ہوئے ہیں کہ نہ نماز ہو نہ روزہ، نہ داڑھی ہو نہ مونچھ۔ غرض دراصل صرف دو اصطلاح صحیح ہیں، جن کی حقیقت کی تفصیل میں پہلے بیان کر چکا ہوں، ایک کتابی اصطلاح ہے ایک زبانی، ایک کتاب میں ہے اور ایک

اگرچہ کتاب میں نہیں لیکن مستند حضرات کی زبان پر ہے، چنانچہ حضرت عراقیؒ نے بھی اپنے شعر میں اس دوسری ہی اصطلاح کو لیا ہے۔

خلاصہ طریق قلندریہ

اس اصطلاح میں خلاصہ طریق قلندر کا یہ ہے کہ وہ جامع ہوتا ہے اعمال اور محبت کا، عمل اور محبت کے تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدون بھاپ کے دھکیلنے سے چلنا اور جیسے بھاپ سے چلنا، اگر انجن میں بھاپ نہیں ہے تو ریل دھکیلنے سے بھی چلے گی تو ضرور مگر کتنی زیادہ سے زیادہ دو چار یا آٹھ دس میل اور وہ بھی بمشکل اور اگر انجن میں بھاپ ہے تو بس چھوٹتے ہی اڑ گیا، ساری گاڑیوں کو لے کر ہوا کی طرح۔

ولایتی ڈاک کی رفتار نہیں دیکھی، آخر اس میں کیا چیز زیادہ ہے اس میں اور ایک ٹھیلہ گاڑی میں جس کو مزدور چلاتے ہیں کیا فرق ہے بس یہ فرق ہے کہ ایک میں بھاپ ہے اور ایک میں بھاپ نہیں۔ ورنہ پہیے، انجن، گاڑیاں سب چیزیں ویسی ہی ہیں مگر فرق کیا ہے دونوں میں صرف بھاپ کا فرق ہے، اگر ولایتی ڈاک میں بھی بھاپ نہ رہے تو وہ بھی ٹھیلہ ہے۔

تو عمل مثل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ گاڑی کی روح کے ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی ہے لیکن اس

کے یہ معنی نہیں کہ پہیے توڑ کر رکھ دو، اگر کہیں پہیے توڑ کر رکھ دیئے تو بھاپ کا نہ ہونا تو خیر اتنا مضر بھی نہیں لیکن ایسی حالت میں کا ہونا ہی بس غضب ہے۔

دیکھو ریل کبھی پٹڑی پر سے اترتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے دھکیلتے ہوئے لے جا رہے ہیں زور کی آندھی آئی یا کوئی اور سبب ہو گیا کہ پہیے لین سے اتر گئے، اب چونکہ اس وقت وہ بھاپ کے زور سے نہیں چل رہی ہے اس لئے لین سے بھی اترے گی تو زمین کے اوپر ہی چلنے لگے گی اگر زمین سخت ہوئی ورنہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کھڑی ہو رہے گی۔

اور اگر کہیں خدانخواستہ ایسا ہوا کہ بھاپ کے زور سے اڑی چلی جا رہی تھی کہ پہیہ لین سے اتر گیا تو بھاپ کی یہ برکت ہوئی کہ پہیے زمین کے اندر گھس گئے پُرزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، ڈرائیور اور سواریاں سب ہلاک ہو گئیں، ایک قیامت برپا ہو گئی۔

تو بس بھاپ موجود ہونے کی صورت میں اگر یہ لین پر رہی تب تو یہ مسافت کو نہایت سہولت اور امن و عافیت اور تیزی کے ساتھ قطع کرتی رہے گی اور اگر کہیں لین کو چھوڑ دیا تو واللہ قیامت برپا ہو جاوے گی، مشین کا بھی، گاڑیوں کا بھی، چلانے والے کا بھی، مسافروں کا بھی سب کا نہس نہس ہو جاوے گا۔

تو اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں، ایک تو یہ کہ بھاپ

نہیں ہے لیکن لین پر ہے، اس صورت میں رفتار ضرور آہستہ ہوگی لیکن خیر کوئی خطرہ بھی نہیں۔

دوسری حالت یہ ہے کہ بھاپ تو اس میں ہے لیکن لین پر نہیں بس قیامت کا سامنا ہے۔

اور ایک حالت ہے نور علیٰ نور، وہ یہ کہ بھاپ بھی ہو اور لین پر بھی ہو، سبحان اللہ یہ ہے البتہ لطف۔

تو اے صاحبو جس نے اچھی ریل میں بھاپ تو پیدا کر لی لیکن اس کو لین پر سے اتار دیا، واللہ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہے اور وہ بھاپ کیا ہے، وہ بھاپ ہے محبت، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، اور لین کیا ہے لین ہے صراط مستقیم شریعت کی۔

یعنی جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمال شریعت کو رخصت کر دیا وہ قطع طریق تو کیا کرتا اور الٹا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں کی لیکن عمل شریعت پر کرتا رہا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بلا بھاپ کی ریل کو دھکیل رہے ہیں اول تو رفتار نہایت سست پھر جہاں دھکیلنا چھوڑ دیا بس رک گئی۔ اس لئے یہ بھی کچھ نہیں۔

طریقت میں کامیابی کیلئے عمل اور محبت کا ہونا ضروری ہے

اے صاحب عمل کو اور محبت کو دونوں کو جمع کر لو، یہ البتہ ہوگی

وہ ریل جس میں بھاپ بھی ہے، پہیے بھی ہیں اور لین پر بھی ہے پھر دیکھو کیسی جلدی مسافت قطع ہوتی ہے۔

تو میں نے ریل کی مثال میں جو یہ کہا تھا کہ بھاپ اصل چیز ہے اس کے یہ معنی نہ تھے کہ پہیوں کی ضرورت نہ رہی، اسی طرح محبت کو جو میں نے کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبت کافی ہے عمل کی حاجت نہیں۔

بلکہ بھاپ کے اصل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پہیوں کی تیزی کا ذریعہ یہی ہے، بغیر اس کے رفتار میں تیزی ممکن نہیں لیکن اگر سرے سے پہیے ہی ندارد ہوں تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے سوائے اس کے کہ وہیں کے وہیں "بھک بھک" ہوتی رہے۔

اسی لئے جس میں محض جوش و خروش ہے اس میں سوائے اس کے کہ حق حق اور الا اللہ الا اللہ کے نعرے لگا لئے اور بھی کچھ ہے نفع کیا اس سے غل شور تو بہت مگر ہیں وہیں جہاں پہلے تھے تو نفع کیا اس جوش و خروش سے۔

یہ جوش و خروش تو ایسا ہی ہے جیسا اس ریل کا جس کے انجن میں آگ بھی دہک رہی ہے، بھاپ بھی بھری ہوئی ہے مگر سرے سے تو کیا کہ پہیے ٹوٹ گئے ہیں، تو وہ بیچاری سوائے اس کے کہ کھڑی دھواں دیئے جاوے اور "میں تاں" "میں تاں" کئے جاوے اور کیا کر سکتی ہے جہاں صبح تھی حضرت وہیں شام۔

اور گاڑی بے بھاپ کی چلی جارہی ہے اس میں شور وغل تو بہت نہیں مگر راستہ میں آنًا فانًا قطع ہو رہا ہے، کاش جس گاڑی میں بھاپ تھی پہیئے بھی درست ہوتے اور لین پر بھی ہوتی تب تھا کہ ایک ساتھ کلکتہ جا کر دم لیتی، اور اب تو نری بھاپ بالکل بیکار ہے۔

تو محبت کو جو میں نے اصل کہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل کا بلکہ خود اعمال کا بھی ذریعہ ہے، کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ بدون محبت کے اعمال کا صدور بھی ممکن نہیں۔

محبت کا ادنیٰ درجہ ارادہ ہے

حتیٰ کہ محبت ضعیف یعنی محبت کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اور یہ مسلم مسئلہ فلسفہ کا ہے کہ بلا ارادہ کے کوئی عمل وجود میں آہی نہیں سکتا، ہر عمل کے لئے صدور سے قبل ارادہ کا متعلق ہونا شرط ہے۔

تو محبت کا ادنیٰ درجہ ارادہ ہوا، مثلاً ہم نے جب جانا چاہا اور ارادہ کیا تو محبت ضعیف متحقق ہو گئی، کیونکہ چاہنے ہی کو تو محبت کہتے ہیں گو تڑپ نہ ہو یہ تو ادنیٰ درجہ کی محبت ہوئی جس کے بدون ادنیٰ درجہ کا عمل ہی صادر نہیں ہو سکتا اور اعلیٰ درجہ کی محبت یہ ہے کہ

تو درو گم شو وصال این ست و بس گم شدن گم کن کمال این ست و بس

محبت میں گم ہو جانا ہی وصال ہے گم ہونے کو بھول جانا ہی کمال ہے

ہائے کیا اچھا مضمون ہے ؎

تو درو گم شو وصال این ست وبس ٭ گم شدن گم کن کمال این ست وبس

گویا فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کا اور نہ مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا کا اور نہ سالک کے نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ کا۔

جب اسم فاعل کو معنی حال پر محمول کیا جاوے کما ہو احد الوجوہ فی التفسیر پس اول ادنیٰ درجہ کی محبت پیدا ہوئی اس سے عمل ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے پھر اس عمل کی برکت سے محبت کا اس سے قوی درجہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے پہلے درجہ سے قوی عمل پیدا ہوتا ہے اسی طرح سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے

تو ترتیب یوں ہوئی کہ اول محبت ضعیف سی ہوتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اس سے ایک عمل پیدا ہوا اور اس کے ساتھ اور بھی مؤیدات کو مدد کے لئے جمع کر لیا تو اس محبت میں اب ترقی ہوئی اس عمل کی برکت سے پھر اسی محبت زائدہ سے جو عمل پیدا ہوا اس سے اور محبت زیادہ پیدا ہوئی، پھر اس محبت سے اور عمل پیدا ہوا پھر

اس عمل کی اور برکت ہوئی، پھر اس سے اور عمل پیدا ہوا۔

خلاصہ یہ کہ دونوں میں یہ ترتیب رہتی ہے کہ اول محبت ضعیف پھر عمل ضعیف، پھر محبت زائدہ پھر عمل زائد، غرض ساری عمر یہ دونوں سلسلے چلتے رہتے ہیں کہ ہر عمل سے محبت اور ہر حصہ محبت سے مزید عمل۔

غرض نہ اس سے استغنا نہ اُس سے۔ ان میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہوگئی تو بس سارا سلسلہ منقطع، تو حضرت یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے کہ محبت پھر عمل، پھر محبت، پھر عمل علیٰ ہذا نہ اس سے کبھی فارغ نہ اس سے کبھی مستغنی، یہ ہے گویا اصل اس طریق جامع بین المحبت والعمل کا، جس کو حضرت عراقی نے اپنے شعر میں طریق قلندر سے تعبیر کیا ہے۔

غرض ذہن میں یہ مضمون آیا تھا جو حضرت عراقی کے اس شعر میں مذکور ہے جس کو میں نے اس وقت بیان کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔

پھر میں نے سوچا کہ کیا کوئی آیت بھی اس مضمون کی ہے، سو الحمد للہ قرآن کی یہ آیت بھی ذہن میں آگئی جس میں یہ ہی مضمون موجود ہے۔

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن و حدیث میں موجود ہے

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تصوف کے اصول صحیحہ قرآن و حدیث میں سب موجود ہیں، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن و حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے۔

خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہے، میاں بس نماز، روزہ قرآن حدیث سے ثابت، اسی کو کرنا چاہیے یہ تصوف صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن حدیث ہی کی ضرورت نہیں۔

غرض دونوں فرقے قرآن حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن حدیث کو۔

جنھوں نے قرآن حدیث کو چھوڑ دیا انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن حدیث تو محض ظاہری انتظام کی چیزیں ہیں درویشی کا ان سے کیا علاقہ، میاں درویشی تو اور ہی چیز ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔

اے صاحبو کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو، اس کے متعلق میری ایک مستقل کتاب بھی ہے۔ اوّل تو الحمدللہ یہ بات کہ قرآن حدیث سارا البریز ہے تصوف سے ہر تصنیف سے ظاہر ہے لیکن میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔

ایک تو "حقیقۃ الطریقۃ" جو مدت ہوئی مکمل ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔

اب ایک رسالہ مستقل اور بھی آج کل لکھ رہا ہوں جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں، پاؤ قرآن یعنی آٹھ پارے تو ہو گئے ہیں، بائیس پارے اور باقی ہیں خدا مدد فرمائے۔

یہ رسالہ دراصل عربی میں ہے، پھر خیال ہوا کہ ساتھ کے ساتھ اردو میں بھی ترجمہ ہوتا جائے تو اچھا ہے، چنانچہ ہو رہا ہے اور وہ جو رسالہ ہے "حقیقۃ الطریقۃ" وہ اصل ہی سے اردو میں ہے تو ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن حدیث لبریز ہیں تصوف سے، اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن حدیث میں نہ ہو۔

غرض جتنے اہم اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں، کوئی آیت شاید خالی ہو جس میں ایک آدھ مسئلہ تصوف کا مذکور نہ ہو۔

چنانچہ اسی آیت کو دیکھئے جو اس وقت تلاوت کی گئی ہے اس میں بھی تصوف موجود ہے فرماتے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ الآیۃ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے دین کے محفوظ ہونے کی خبر دے رہے ہیں، کوئی یہ ناز نہ کرے کہ ۔۔۔ کا کام ہماری وجہ سے چل رہا ہے۔

اے ایمان والو اگر تم میں سے کوئی نعوذ باللہ دین سے پھر جاوے تو سرکاری کام بند نہ ہوگا، چاہے سارے ٹھیکہ دار اور مزدور استعفا دیدیں۔

جیسے دنیا میں سارے محکمے والے دفتر کا کام چھوڑ دیں تو حکام کو عین وقت پر پریشانی اور تکلیف ضرور ہوتی ہے، اس واسطے کہ جب عملے والے سب مخالف ہوگئے تو اب کام کس سے لیں، اسی طرح یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر نعوذ باللہ سب کے سب مسلمان مرتد ہو جائیں تو شاید اللہ میاں کو بھی سوچ ہو۔

ایک نابینا حافظ کی حکایت

جیسے آج ہی ایک حکایت میں بیان کر رہا تھا کہ ایک نابینا حافظ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے تین مقتدی اور ایک امام، امام صاحب کا وضو ٹوٹا انھوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور خود وضو کرنے چلے گئے۔ اب ایک، امام اور دو

مقتدی نہ رہ گئے۔

مقتدیوں میں سے ایک نے دوسرے نماز کے اندر ہی چپکے سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہوا، بیچارہ بے استخلاف امام کا مسئلہ سنا نہ تھا۔ دوسرا نصیحت کرتا ہے کہ ارے چپ رہ یوں ہی ہوا کرے ہے یہی ہوا کرتا ہے، یہ بڑے بوجھ بجھکڑ تھے۔

اب امام صاحب کی سنئے جو خلیفہ بنائے جانے کے لائق سمجھے گئے تھے، آپ فرماتے ہیں ارے اب میں کسے نماز پڑھاؤں یہ دو ہی تو مقتدی تھے، اور ان دونوں کی نماز بولنے سے فاسد ہو گئی، غرض اس نے بھی اپنی نماز تباہ کی۔

تو دیکھئے ذرا سی بات میں سب کی نماز رخصت ہو گئی، یہاں کی نماز تو ایسی ہے کہ جب مقتدی نہ رہیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں کسے نماز پڑھاؤں۔

اسی طرح اگر کسی بادشاہ سے ساری رعایا باغی ہو جائے تو اب وہ کس پر سلطنت کرے، یہاں کے حکام تو ایسے ہیں کہ رعایا نے ہڑتال کر دی تو بس ان کی حکومت ندارد، اللہ میاں کو بھی شاید کوئی نعوذ باللہ ایسا ہی سمجھ جاتا۔

سو اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں یہ قصہ نہیں دین سے پھر کر دیکھ لو، سب ایک دم سے باغی ہو جاؤ، اول تو تمہارے پھر جانے سے ہمارا کوئی کام اٹکتا نہیں اور واقعی اللہ میاں کا

ہمارے ایمان اور نماز روزہ سے کیا نفع مگر پھر جیسا بھی ہو کام ہو رہا ہے
گو وہ بندوں ہی کی مصلحت کے لئے ہو رہا ہے، سو اس کے متعلق بھی
خداوند تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ فرماتے ہیں کہ کسی کے مرتد ہونے
سے وہ بھی نہیں رک سکتا۔

یہی حاصل ہے اس آیت کا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ
یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اے ایمان والو تم میں سے جو
کوئی بھی اپنے دین سے پھر جاوے فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ
نزدیک ہی یعنی بہت جلد ایسی قوم کو اللہ میاں پیدا فرماویں گے
جس کی ایسی شان ہوگی کہ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ وہ اللہ میاں کو
دوست رکھیں گے اور اللہ میاں ان کو دوست رکھیں گے۔

دیکھئے سوف کے ساتھ فرماتے ہیں، جو تقریب کے لئے آتا
ہے یعنی فوراً۔ اور واقعی انہیں کیا ضرورت ہے کسی انتظام یا اہتمام
کی، ایک لفظ کُنْ سے مولوی، شیخ، غوث، قطب، ابدال جو چاہیں
بنادیں اور جس کو چاہیں بنادیں۔

حضرت غوث اعظم کی حکایت

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت
غوث اعظم کی ایک حکایت لکھی ہے، ان کے خادم کی روایت
ہے کہ ایک بار آخر شب میں حضرت اٹھے، خادم کہتے ہیں کہ میں

سمجھا نماز تہجد کی تیاری کریں گے۔

چنانچہ میں بھی اٹھا تاکہ حضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے ویسے حضرت کو میرے اٹھنے کی اطلاع نہ ہونے دی، واقعی بزرگوں کی خدمت ہے بڑی مشکل انھوں نے جو کیا ٹھیک کیا، اطلاع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، کوئی احسان جتلانا تھوڑا ہی تھا۔

اب تو اگر کوئی خدمت کرتے ہیں تو جتلا کر کرتے ہیں، حالانکہ ادب کی بات یہ ہے کہ خیال و نگرانی تو رکھے مگر خواہ مخواہ جا کر مزاحمت نہ کرے اور تنہائی میں مخل نہ ہو بخصوص اخیر رات میں تو بزرگ یہ چاہتے ہیں کہ نہ کوئی ہمیں وضو کے لئے پانی لا کر دے نہ استنجے کا ڈھیلا لا کر دے بلکہ اس وقت تو یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بھی نہ آئے اپنے ہاتھ سے سب کام کریں کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے سہ

چہ خوش وقتے وخرم روزگارے

کہ یارے برخورد از وصل یارے

کیسا اچھا وقت ہوتا ہے کہ محبوب کے وصل سے عاشق بہرہ ور ہو بس تمت یہ جی چاہتا ہے کہ بالکل تنہائی کا عالم ہو، بلکہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے وجود کو بھی جی چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہے خود اپنا وجود بھی حجاب معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت قلندر رحمہ اس موقع کے صاحب مزار ہیں،

اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم۔ لیجئے اپنی آنکھ پر بھی غصہ ہے، یہ کیوں دیکھتی ہے میں ہی تجھے دیکھتا اور ؎ گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم۔ میں ہی تیرا کلام سنتا یہ کان کیوں سنیں۔

واقعی صاحب یہی حالت ہوتی ہے، حضرت عارف شیرازی بھی اس مضمون کو فرماتے ہیں اور وہ تو قسم کھا رہے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود

کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

خدا کی قسم مجھے اپنی آنکھ پر رشک آتا ہے اس واسطے کہ یہ اس کے حسن بے مثال کو دیکھنے کی اہل نہیں۔

آنکھ پر بھی رشک آتا ہے، سو وہ تو وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی مٹانے کو جی چاہتا ہے اور اگر کوئی اپنا خادم خاص بھی اس وقت پاس کھڑا ہو تو وہ بھی پسند نہیں آتا۔

اسی واسطے مؤدب خدام یہ کرتے ہیں کہ پاس کو لگے رہے لیکن اس طرح کہ اپنی موجودگی کی تو خبر نہ ہونے دی لیکن جب دیکھا کہ کوئی کام مخدوم کے قابو کا نہیں ہے، فوراً حاضر ہو کر شریک ہو گئے اور بعد فراغت پھر غائب۔

چنانچہ اس خادم نے بھی ایسا ہی کیا کہ خفیہ طور پر حضرت غوث پاک کے پیچھے پیچھے لگا رہا، ادھر حضرت نے کچھ توجہ بھی نہیں

کی کہ میرے ساتھ کوئی شخص تو نہیں ہے۔

غرض حضرت اٹھ کر خانقاہ سے نکل کر سیدھے شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچے، حضرت شیخ کی برکت اور کرامت سے شہر پناہ کا قفل خود بخود کھل کر گر گیا، حضرت کواڑ کھول کر شہر سے باہر ہو گئے، چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک بڑا بھاری شہر نظر پڑا حالانکہ بغداد کے قریب کوئی اتنا بڑا شہر کہاں۔

اب خادم کو بڑی حیرت کہ یا اللہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں، لیکن بولے نہیں چپ چاپ ساتھ چلتے رہے، یہاں تک کہ اس شہر کے اندر داخل ہو کر ایک مقام پر پہنچے، وہاں ایک مکان تھا، اس کے اندر داخل ہوئے، اس میں چند آدمیوں کا ایک مختصر سا مجمع تھا اور ایک مسند پر تکیہ لگا ہوا تھا، جیسے کسی کی آمد کا انتظار ہو رہا ہو حضرت شیخ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تعظیم کے لئے اٹھے اور حضرت کو مسند پر بٹھایا، پھر اشاروں سے کچھ عرض معروض کی جس کو حضرت ہی سمجھے، خادم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس کے بعد ایک طرف سے آواز کراہنے کی آئی، آہ، آہ، پھر تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہو گئی۔ پھر کچھ دیر بعد ایسی آواز آنے لگی جیسے پانی ڈالنے کی ہوتی ہے پھر وہ بھی بند ہو گئی، پھر تھوڑی دیر بعد ایک حجرہ کھلا اور اس کے اندر سے ایک جنازہ نکلا۔ جس کے ہمراہ چند آدمی تھے۔ ان میں ایک بوڑھے نورانی شکل کے بزرگ بھی تھے۔

حضرت شیخ کے سامنے جنازہ رکھا گیا، حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر وہ لوگ جنازہ کو لے گئے، ادھر یہ لوگ جنہوں نے حضرت شیخ کا استقبال کیا پھر آکر سب حضرت کے گرد بیٹھ گئے اور اسی طرح اشاروں میں دوبارہ پھر کچھ عرض کیا۔

اس پر حضرت شیخ اسی وقت گردن جھکا کر مراقب ہوئے تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک زنار بند شخص عیسائی لباس پہنے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کا زنار توڑا اور کلمہ شریف پڑھا کر مسلمان کیا، پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ یہ ہے پھر حضرت اس جگہ سے اپنے مکان پر لوٹ آئے۔

خادم کو اسی ادھیڑ بن میں اور حیرت میں صبح ہو گئی کہ اے اللہ یہ کیا قصہ ہے، یہ حضرت کی خدمت میں کچھ سبق بھی پڑھتے تھے، کیونکہ پہلے درویش اکثر عالم بھی ہوتے تھے تو چونکہ یہ خادم محض مرید نہ تھے بلکہ شاگرد بھی تھے اس لئے دل کھلا ہوا تھا کیونکہ یہ علاقہ استاذی شاگردی کا بے تکلف کا ہوتا ہے بہ خلاف پیری و مریدی کے تعلق کے کہ اس میں اتنی بے تکلفی نہیں ہوتی۔

چنانچہ انھوں نے رات کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا، مجھے اس قدر حیرت ہے کہ میرے حواس درست نہیں۔

فرمایا کہ وہ شہر موصل تھا جو بغداد سے بہت دور ہے۔ لیکن

حق تعالیٰ نے میرے لئے اسے بالکل قریب کر دیا اور طے ارض ہو گیا، اور وہ مجمع جنہوں نے میرا استقبال کیا ابدال تھے، اور ان ہی میں سے ایک ابدال قریب المرگ تھے، جن کے کراہنے کی آواز آرہی تھی اور وہ بوڑھے نورانی شکل والے بزرگ جو جنازہ لے کر نکلے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

اس جماعت نے باطنی طور پر اطلاع دے کر مجھ سے دریافت کیا کہ اس کی جگہ کون ابدال مقرر کیا جائے، میں نے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی، ارشاد ہوا کہ قسطنطیہ کے گرجا میں اس وقت ایک نصرانی صلیب کو پوج رہا ہے اس کو کر دیا جائے۔

چونکہ کافر تو کسی عہدۂ باطنی پر ہو نہیں سکتا جیسا آجکل لوگ سمجھتے ہیں کہ چمار چوڑھے بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں، کیا اللہ میاں کو خدمت کے لئے مسلمان نہیں ملتے جو چوڑھوں چماروں سے کام لیں۔ سبحان اللہ اچھی قدر کی ولایت کی۔

خوب سمجھ لو کہ کافر ہرگز ولی نہیں ہو سکتا، اگر کسی کافر کو ولی کرنا بھی ہوتا ہے تو اول اس کو اسلام کی توفیق دی جاتی ہے چنانچہ اس نصرانی کے معاملہ میں بھی یہ ہوا کہ قسطنطیہ سے ایک دم زمین کی طنابیں کھینچ کر اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچایا گیا اور حضرت شیخ کی توجہ... کی برکت اسے کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ رتبۂ ابدالیت پر پہنچ گیا حالانکہ نہ کوئی مجاہدہ کیا نہ ریاضت، اسی کو تو

کہتے ہیں حضرت مسعود بک، ؎

مرشد چو کامل ست چلہ شد رشد نہ شد نہ شد

لیکن یہ محض شاذو نادر ہی ہے، کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے، ورنہ چکی ہی پیسنا پڑتی ہے جو کچھ ملتا ہے چکی ہی پیسنے سے ملتا ہے اخدا کے واسطے کہیں اس شاذو نادر ہی پر نہ بیٹھ رہنا۔

شاذو نادر پر بیٹھے رہنا تو ایسا ہے جیسے کوئی عورت اس بنا پر بے نکاح بیٹھی رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے بھی تو بے مرد کے اولاد ہو گئی تھی یا کوئی مرد صاحب اس بھروسہ پر کسی عورت کو نکاح کے لیئے تلاش نہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا علیہ السلام بدون عورت ہی پیدا ہو گئی تھیں، میری پسلی سے بھی ایک ہوا دھوئی کا سے، نکل آئے گی، یہ دونوں بالکل احمق ہیں۔

میاں خدا نے ایک دفعہ یوں بھی کر دیا کہ بلا نکاح کے عورت کو اولاد دیدی، اور ایک مرتبہ یہ بھی قدرت دکھلادی کہ مرد کی پسلی سے عورت پیدا کر دی، اب یہ تو نہیں کہ روز روز ایسا ہی ہوا کرے اور لوگ اس شاذو نادر ہی کے منتظر بیٹھے رہیں، نہ عورت مرد سے نکاح کرے نہ مرد عورت کی فکر کرے۔

آج کل یہ عجب واہیات ہے کہ طالبین شاذو نادر پر بیٹھے رہتے ہیں کہ پیر ایک نظر کر دے گا تو بس بیڑا پار ہو جائے گا، اور

خود کچھ کرتے کراتے نہیں، کیونکہ جی وہ تمہارے باوا کا نوکر تو ہے نہیں، اگر نظر نہ کرے تو کیا کر لو گے، یہ کیا بے وقوفی کی بات ہے، نیز اس کے قبضہ کی بھی تو بات نہیں، اگر کسی کے اختیار میں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے قلب میں ضرور اسلام ڈال دیتے بھائی بلا کام کیے بھی کہیں کامیابی ہوتی ہے، اصل طریق تو یہی ہے کہ ؎

کار کن کار بگذر از گفتار	کاندریں راہ کار باید کار
کام کر کام، زیادہ بولنا چھوڑ	کہ اس راہ میں کام ہی کام کرنا چاہیے
قدم باید اندر طریقت نہ دم	کہ اصلے ندارد دمے بے قدم
طریقت میں عمل چاہیے نہ کہ خالی دم	اس واسطے کہ بغیر عمل کے دم کوئی چیز نہیں

نری آرزوؤں اور ہوسوں سے کام نہیں چلتا، اسی کو کہتے ہیں ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال	صد سال می تواں بہ تمنا گریستن
اے عرفی اگر رونے سے اسکا دیدار ہو سکتا	تو ساری عمر اسکے دیدار کی آرزو میں روتے رہتے

تو کیا ہوتا ہے نری آرزوؤں اور تمناؤں سے، کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے، اور کام بھی ایسا جس میں کام ہی کو ثمرہ سمجھا جاوے گو اور کوئی ثمرہ نہ ملے، جب کام اور ثمرہ ایک ہی چیز ہے تو بدون کام کیے ثمرہ کا حصول چہ معنی، جب کام نہیں تو ثمرہ

کبھی نہیں کیونکہ ثمرہ تو وہی کام تھا، حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر ز یار می باید کرد

ثمرات میں ناکامی کی شکایت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ میاں ان حکایات شکایات کے دفتر کو طے کرو، زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں، ہم تو ایک مختصر سی بات کہتے ہیں کہ بس ان دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کر لو، یا تو یہ کرو کہ جس بات میں محبوب حقیقی راضی ہو خواہ وہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو اس پر راضی رہو یعنی کام ہی کو ثمرہ سمجھو، کیونکہ یہ تسلیم ورضا جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ عطائے حق کو کر توفیق عمل ہے ثمرہ سمجھے اور اگر یہ پسند نہیں اور اس سے تم خفا ہوتے ہو تو بھائی سیدھی بات یہ ہے کہ پھر اپنے لئے کوئی دوسرا خدا ڈھونڈ لو، اس خدا کو چھوڑ دو۔

یہ حضرت سرمد نے خوب دو ٹوک بات کہی، واقعی یہ مجذوبوں والی ہی بات ٹھیک ہے کہ ؎

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر ز یار می باید کرد

غرض کام ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں لگا رہے کام کر کے بھی ثمرات کی توقع رکھے، ایں خیال ست ومحال ست وجنوں۔

بہرحال کام کرنا چاہئے کہ ثمرات بھی حسب سنت اللہ کام ہی

سے ملتے ہیں، لیکن کبھی خدا تعالیٰ اپنی یہ قدرت بھی دکھلا دیتے ہیں کہ بلا اسباب بھی اپنی قدرت سے پیدا کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت میں بھی اپنی ایسی ہی قدرت کا بیان فرماتے ہیں ارشاد ہوتا ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ یعنی تمہارے مرتد ہو جانے سے خدائی کام میں کچھ فتور واقع نہ ہوگا، جیسے کوئی یہ غلط قیاس کرے کہ ساری رعایا کے باغی ہو جانے سے سلطنت کا کام نہیں چل سکتا

تو خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو، وہ کسی سے مجبور نہیں ان کی ذات قادر مطلق ہے، دم میں جو چاہے کر دیں، فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا کر دیں گے جس کی شان ایسی ایسی ہوگی۔

آگے اس کی حالت کا بیان ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ الخ تو اس موقع پر جس قوم کا ذکر فرمایا ہے وہ قوم ظاہر ہے کہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوگی، اس واسطے کہ مقابلہ کے موقع پر سنا رہے ہیں کہ بجائے تمہارے ان کو تیار فرما دیں گے تو لازمی طور پر وہ قوم ایسی ہونی چاہیے جو ہر طرح کامل اور اعلیٰ درجہ ہو،

تاکہ مرتد ہونے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے پھرنے ہٹنے سے کیا ہوا، ہماری جگہ دوسری قوم ہم سے بڑھ چڑھ کر اسلام میں داخل ہوگئی، تو گویا اس قوم کا اعلیٰ درجہ کی صفات سے متصف ہونا خود سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے۔

غرض جو صفات اس مقام پر مذکور ہوں گی وہ نہایت عظیم الشان اور قابلِ اعتبار ہوں گی، اب ان صفات کو سنئے کہ وہ کیا ہیں۔

آیت سے قلندری کا ثبوت

سب سے اول جو صفت بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، یعنی خدا ان سے محبت ہوگی اور ان کو خدا سے۔ دیکھیے حضرت سب سے پہلے حق تعالیٰ نے یہی صفت بیان فرمائی کہ وہ لوگ اہلِ محبت ہوں گے۔

اس تقدیم ذکر سے صفت محبت کا سب سے زیادہ اہتمام بالشان ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی سے میں نے استدلال کر کے یہ عرض کیا تھا کہ بس دین میں محبت ہی اساس ہے، راس ہے، جڑ ہے اصل ہے، اور بنیاد ہے۔

جب یہ بات ہے تو اے صاحبو آپ نے کیا کوشش کی اپنے اندر محبت پیدا کرنے کی، نمازی بھی ہو گئے، روزہ دار بھی ہو گئے حاجی بھی ہو گئے مگر محبت جو اصل چیز ہے آخر اس کی بھی کچھ کوشش کی، کچھ بھی نہیں،

کوشش تو کیا اور الٹا یہ کیا ہے کہ جو محبت والے ہیں، ان پر ہنستے ہیں، ان کو پاگل اور مجنون اور نہ جانے کیا کیا خطاب

ہوئے رکھے ہیں، اور ان کی بھی بڑی کوتاہی ہوگی، اگر وہ پاگل اور مجنون لقب سن کر برا مانیں، پھر خبر بھی ہے یہ لقب تو بہت بڑا ہے،

ارے یہ تو ایسا لقب ہے کہ اس کو سن کر تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ برا مانو، کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخالف بھی تمہارے اعلیٰ درجہ کے محبت خدا ورسول ہونے کی شہادت دینے لگے،

بات یہ ہے کہ مخالف یہ لقب اسی کو دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا محب ہو، اور اس کا راز یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محب ہوتا ہے اس کے افعال عقل معاش اور دنیوی مصلحتوں کے خلاف ہونے لگتے ہیں اور یہی تو وجہ ہے کہ جو لوگ محض عقل معاش رکھتے ہیں وہی ایسے شخص کو مجنوں اور بے وقوف کہتے ہیں اور یہ لقب بہت پرانا ہے۔

چنانچہ کلام مجید اس پر شاہد ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ دیکھئے حضرات صحابہ کو جو اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے تھے منافقین نے نعوذ باللہ سفہاء کا لقب دے رکھا تھا، کیونکہ وہ حضرات اپنے سب اعزہ واقربا کو چھوڑ کر اور مال ومتاع کو خیرباد کہہ کر ایمان لائے تھے جو بظاہر عقل معاش کے بالکل خلاف تھا، اسی لئے منافقین کہتے تھے کہ ان کی عقل ماری گئی ہے کہ اپنا

اتنا بڑا نقصان کر کے ایمان لائے ہیں، یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لے آئے ہیں، تو دیکھئے ان احمقوں نے حضرات صحابہ کو بھی نعوذ باللہ بے وقوف بتایا، اس زمانہ میں بھی یہی حال ہے۔

ایک نومسلم کی حکایت

ہمارے قصبہ میں ایک شخص نومسلم ہیں، وہ پہلے بہت امیر کبیر گھرانے کے تھے، جب وہ مسلمان ہو گئے تو ظاہر بات ہے کہ پھر ظالم لوگ بھلا وہ دولت و ثروت ان کو کہاں دیتے، بیچارے ہمارے بھائی کے یہاں دس بارہ روپیہ کے نوکر ہیں، یا تو خود صاحب جائداد تھے یا اب نوکری کرتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں مگر جس جگہ نوکر ہیں وہاں پر ہیں بہت عزت اور آرام کے ساتھ، جس جگہ کے رہنے والے ہیں وہاں ایک مرتبہ کسی کام سے ان کا جانا ہوا، وہاں ان کے عزیز قریب سب ہی ہیں مگر اب ان سے کیا علاقہ، لہٰذا وہ جا کر کسی موقع پر ٹھہر گئے، ان کے عزیز قریب سب ملنے آئے اور ان کی بڑی خاطر کی۔

وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں لیٹا ہوا تھا اور وہ لوگ بھی پاس بیٹھے تھے وہ سمجھے کہ یہ سو رہا ہے اور میں جاگ رہا تھا ایک بولا، ارے سنا ہے یہ بڑے آرام میں ہے، ایک شیخ کے

یہاں کارندہ ہے، اس کی بہت بڑی حویلی ہے، نوکر چاکر گائے بھینس سبھی کچھ ہے اور یہ سب پر حکومت کرتا ہے، بڑی عزت ہے بڑے مزہ میں ہے۔

دوسرا بولا کہ بھائی سب کچھ سہی مگر اس نے کی بہت کھوٹی بات (یعنی بڑی بات، کہ اپنے عزیز قریب بیوی بچے سب چھوڑ دیئے اور مسلمان ہو گیا، لیجیئے یہ ان کو لقب ملا، تو سمجھنے کی بات ہے کہ باپ بھائی جائداد بیوی سب کو چھوڑ دینا آسان کام نہیں، ان کی پہلی بیوی مسلمان نہیں ہوئی وہ اب بھی موجود ہے اور اب بھی کبھی کبھی جب ساس نندوں سے پریشان ہوتی ہے ان سے کہلا بھیجتی ہے کہ تم میری مدد نہیں کرتے، اب بھی اتنا بڑا ناز ہے۔

بہر حال انھیں بے وقوف اس بنا پر قرار دیا کہ عزیز قریب سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے مقابلے میں کسی چیز کی پرواہ نہ کی تو صاحب یہ شان ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے محب کی، اور یہ لقب اس کو ملتے ہیں۔

اور لیجیئے سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضور کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنون کہتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ان کے یہ اقوال موجود ہیں ام یقولون بہ جنۃ ویقولون انہ لمجنون اور خدا تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔ گویہ احتمال بھی ہے کہ

اور کچھ تو بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں، کوئی اور منشا نہ ہو اس قول کا۔

مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے، چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے، تو وہ لوگ یہ تینوں لقب حضور پر اطلاق کرتے تھے، یعنی شاعر ساحر اور مجنون، اور شاعر اور ساحر کا منشا ہمیں معلوم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور شاعر کہنے کا منشا

چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا، جب دو کا منشا معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشا بھی ضرور ہوگا، شاعر اور ساحر کہنے کا منشا سنئے وہ ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے کہ معشوق من است کہ نزدیک تو زشت است، شاعر اور ساحر اس لئے کہتے کہ حضور کے کلام مبارک میں ایسا اثر تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔

پس طرز بیان کی تاثیر کو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے اسی لئے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور کا کلام نہ سنیں، چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ خبردار قرآن مت سننا، بس اس کا سننا ہی غضب ہے وَالْغَوْا فِیْهِ اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو تم شور و غل مچانا گڑبڑ کرنا شروع کردو لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ شاید اسی سے جیت

جاوے کہ اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیں، یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔

غرض وہ بہت ہی ڈرتے تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں، بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے، غرض کلام کی قوت تاثیر ان کا منشا تھا۔

اسی طرح مجنون جو کہتے تھے تو اس کا بھی ایک منشا تھا، وہ یہ کہ حضور نے حق کے مقابلے میں ساری دنیا کی مصلحتوں کو چھوڑ دیا یعنی ان بے وقوفوں کے نزدیک نعوذ باللہ حضور نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔

چنانچہ سب نے مل کر ایک بار حضور کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا جو حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں منافع و مصالح پیش کرے، اس نے آکر عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی اپنا سردار بنالیں، کیونکہ آپ نہایت شریف النسب ہیں، آپ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے وہ حسب نسب میں سب سے بڑھ کر ہے، آپ کو اپنا سردار بنانے میں ہم کو کوئی عار نہیں مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہیے، اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں ایک سے ایک حسین موجود ہے جتنی چاہیں پسند کر لیجئے اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لئے فخر ہے بلکہ انھیں خود

ہی نہیں رہی، حضرت ایسوں کو عقلاء مجنون نہ کہیں تو کیا کہیں
جنہیں نہ راستہ یاد نہ اولاد یاد نہ خادم یاد۔ عقلاء تو ایسوں کے
بارے میں یہی کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے دماغ میں خلل ہے۔

ارے نادانو تمہارے ہی دماغ میں خلل ہے جو چیز ان کے
اندر ہے اگر تمہارے اندر ہو تو کلیجہ پھٹ جائے (بقول احقر جامع)

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا
کر گئے نالے دبی مجھے نازِ شکیبائی ہے

یہ ان کی دماغ ہی کی تو صحت و قوت ہے کہ اس قدر ضبط ہے
چنانچہ حضرت مخدوم عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر
مغلوب الحال ہونے کے فرماتے ہیں

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ
دریا ہا فرو برند آروغ نہ زنند۔

ہم کو نقل کرتے بھی جھجک ہوتی ہے لیکن ان کو حق حاصل ہے۔
فرماتے ہیں منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں شور مچانے لگا
یہاں مرد ہیں کہ سمندر کے سمندر چڑھا جائیں اور ڈکار نہ لیں
(بقول جامع ۱۲)

کر چکے رندی بس اے مجذوب ہم
ایک چلو میں یہ حالت ہو گئی

تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر ایک ایسی چیز تھی جس کو منصور بھی

آرہا ہے اور چہرہ سے، جب پاس پہنچا تو سب نے پوچھا کہ اے یار کہہ تو سہی کیا گزری،

اس نے کہا اجی کیا پوچھتے ہو جب میں سب باتیں پیش کر چکا تو انھوں نے ایک ایسا کلام پڑھا کہ واللہ اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آگرتی کیا پوچھتے ہو کیا کیفیت تھی اثر کی، جب انھوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری۔

خدا جانے کیا کلام تھا اور کس غضب کا اس میں اثر تھا، واللہ اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں اور سنوں تو بجز اس کے کہ مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ تھی، مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔

تو یہ حال تھا حضور کے اثر کا، چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں ایک جلسہ میں تمام قوموں (قوموں جمع ہے قوم کی بمناسبت مقابل لفظ جلسہ، جامع ۱۲) اس واسطے حضور کو نعوذ باللہ شاعر اور ساحر کہتے تھے۔

جب اس قوم نے دیکھا کہ حضور کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے، اونٹ مل رہے ہیں وہ نہیں لیتے، مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے حسین حسین عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے تو وہ نامعقول سمجھ کر بھلا یہ کونسی عقل کی بات ہے، جب دنیا کی ساری نعمتیں مل رہی ہیں

تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے۔

عقل کی بات تو یہ ہے کہ میاں جب اتنا چندہ اور روپیہ مل رہا ہے ہیں تو لے لو کام آویں گے، احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا حضرت کو

حضرت والا کی ایک انگریز سے گفتگو

ایک مقام پر میری ایک انگریز سے جو کہ جنٹ تھا، اس کی خواہش پر ملاقات ہوئی، دوران گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے، میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے تو آپ کیا کہتے ہیں، آپ کو کتنا روپیہ ملا۔ میں نے دل میں کہا کہ واہ وا بس یہی ہے آپ کا مبلغ پرواز اور مطمح نظر، جب میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا، تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہوا اتنی محنت ہی پھر کیوں کی۔ اس کے نزدیک جیسے روپیہ نہ ملے وہ کوئی دین کا کام ہی نہ کرے۔

خیر میں نے اسی کے مذاق کے موافق اسے سمجھایا، میں نے کہا کہ اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ ملا وہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری عمر بھی ہوگی جس کو ہم لوگ آخرت کہتے ہیں وہاں اس کا معاوضہ ملنے کی ہمیں توقع ہے۔

اور دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو یہ تفسیر لکھی ہے

اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدے کے لئے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے جب میں اس تفسیر کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہنچ رہا ہے۔

چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کے موافق تھی اس کو سن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی، تو جو روپے پیسے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا تو وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ یہ بڑا بے وقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لئے اپنا جاہ مال سب برباد کر دیا۔

ہمارے ایک دوست نے ناجائز ہونے کی بنا پر ڈپٹی کلکٹری چھوڑ دی ہے (یہ واقعہ ضابطہ واعظ کا ہے) تو اب سب لوگ انھیں بناتے ہیں کہ عقل ہی ماری گئی ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہاری ہی عقل ماری گئی ہے جو اس کو خلاف عقل کہتے ہو ؎ اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد جو لوگ جاہ اور مال ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور جنہوں نے فقط دنیا ہی کو اپنا قبلہ توجہ بنا رکھا ہے ایسوں پر ہنستے ہیں۔ لیکن اگر وہ ہم پر ہنستے ہیں تو ہم ان پر ہنستے ہیں فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ۔

نوح علیہ السلام کیساتھ انکی قوم کا مذاق اور نوح کا جواب

حضرت نوح علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حسب

ارشاد فرمایا اور نوح کشتی بنانے لگے تو ان کی قوم ان پر ہنستی تھی، کوئی پوچھتا کہ یہ کشتی کیوں بنائی جا رہی ہے، آپ فرماتے ایک بڑا سخت طوفان آنے والا ہے اس وقت یہ کام آوے گی، لوگ یہ سن کر کہتے کہ قحط تو پڑ رہا ہے اور آپ کو طوفان کی سوجھ رہی ہے، لوگ ان پر ہنستے کہ بس نبوت تو ختم ہوئی اب نجاری شروع کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نہایت متانت سے فرماتے اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ تم اس وقت ہم پر ہنستے ہو، ہم اس وقت تم پر ہنستے ہیں، اس میں تو دونوں برابر ہیں کل فرق معلوم ہوگا کس پر عذاب آتا ہے اور کون ذلیل ہوتا ہے۔ تو لوگ احمق ہوئے ہیں جو ایسوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔

حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک بزرگ تھے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی، قصبہ رام پور کے ایک رئیس کے بیٹے ان کے مرید ہو گئے۔ یعنی حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں آنے جانے لگے، ان کے فیض صحبت سے

ان کی حالت بدل گئی، دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی جانب رغبت پیدا ہوگئی، ان کے باپ کے پاس ایک شخص کچھ گنوار آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے یعنی تمہارے بیٹے کا بڑا افسوس ہے، فقیر ہوگیا۔

وہ بولے خیر بھائی تو ایک گنوار کیا کہتا ہے واقعی بری صحبت ایسی ہی ہووے ہے (یعنی ہوتی ہے) جب ہی تو بڑے بوڑھے بری صحبت سے منع کریں ہیں (کرتے ہیں)، دیکھو وہ بگڑ گیا فقیر ہوگیا، تو گویا بے وقوف نے دینداروں کی صحبت کو بری صحبت سمجھا، استغفر اللہ۔

ان ہی حضرت حافظ صاحب کا ایک اور واقعہ ہے۔ کوئی نوجوان شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا، اس کی حالت بدلنے لگی، ایک بار اس کا باپ حاضر ہوکر نہایت بیباکی سے کہنے لگا کہ جب سے میرا بیٹا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔

حضرت نے بڑے جلال سے فرمایا اپنے بیٹے کو ہمارے پاس نہ آنے دو، لوگ تو ہمارے پاس جو کوئی آئے گا ہم تو اسے بگاڑیں ہی گے جس کو ایک مرتبہ غرض ہو اور بگڑنا چاہے وہ ہمارے پاس آئے ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے، ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے ہم نے تو اپنے پیر سے بگاڑنا ہی سیکھا ہے، اجی جو بگڑنے سے ڈرے وہ ہمارے پاس آوے ہی کیوں، ایسے کے پاس جائے جو سنوارنا جانتا ہو، ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔

اللہ اکبر ایک شخص کی جیب میں کوڑیاں تھیں، اس نے انہی کو نکال کر پھینک دیا اور ان کی جگہ اشرفیاں بھر لیں، تو کیا وہ بیوقوف ہے، وہ ہرگز بے وقوف نہیں۔ البتہ جو لوگ اشرفیوں کی قیمت سے واقف نہیں وہ کوڑیاں پھینکتے وقت اسے ضرور برا بھلا کہیں گے کہ لوجی بھری ہوئی جیب ہی خالی کر دی۔

ارے تمہیں کیا خبر اس نے کوڑیوں سے جیب خالی کر کے اشرفیوں کے لئے جگہ کی ہے، اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ موجود ہے اس سے کوئی کیمیا سکھانے والا کہے کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دیدو میں کیمیا بنانا سکھادوں گا۔ اور وعدہ کرنے والا نہایت معتبر ہو تو وہ فوراً لاکھ روپیہ دیدے گا، پھر اس نے ایک لاکھ روپیہ لے کر کیمیا سکھلادی تو اب وہ سیکھنے والا اس قدر خوش ہے کہ کھولا نہیں سماتا، اسے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ میں نے ایک لاکھ روپیہ کیوں دیدیا بلکہ وہ زبانِ حال سے کہتا ہے ؎

بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم | جمادے چند دادم جاں خریدم
خدا کا شکر ہے کہ بہت سستی خریدی | چند سکوں کے عوض زندگی خریدلی۔

مگر اس کا پڑوسی جو کیمیا کا قائل اور اس فن کو جانتا نہیں، وہ اسے بیوقوف بناتا ہے کہ میاں تم بھی بڑے احمق ہو ایک لاکھ روپیہ یوں ہی دیدیا، اتنی بڑی رقم فضول ہی ضائع کر دی۔

جب وہ کہتا ہے کہ بھائی میں نے یہ رقم ضائع نہیں کی بلکہ اسل

کے بدلے کیمیا بنانا سیکھ لیا ہے تو کہتا ہے جاؤ میاں بیٹھو بھی۔ بے وقوف ہوئے ہو، کیسی کیمیا، لاکھ روپیہ دیدیا، ایک دو ہی اور فضول سی چیز کیمیا کے لئے۔

یہ حضرت صرف لاکھ روپے کو رو رہے ہیں مگر وہ ایک ہی دن میں لاکھ روپیہ بنائے گا بلکہ جسے کیمیا بنانا آتا ہے وہ دل بھلا اس قدر غنی ہو جاتا ہے کہ اسے بنانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، وہ ہر وقت مطمئن ہے کہ جب چاہوں گا اور جتنا چاہوں گا لاکھ دو لاکھ بنا لوں گا تمہیں کیا خبر کہ جس نے مال اور جاہ کو چھوڑا ہے اسے کیا کیمیا مل گئی ہے ؎

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں ٭ خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند
دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند ٭ واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

پیر مغاں کی بندگی (غلامی) ایسی اچھی کیمیا ہے کہ جس کے ذریعہ خاک ہو کر میری قدر اور مرتبہ بڑھ گیا۔

کل صبح کے وقت مجھ کو میرے نفس امّارہ سے چھٹکارا دلایا، اور اندھیری رات میں مجھے آب حیات بخشا۔

یہ ہے وہ کیمیا اور وہ دولت جو حاصل ہوتی ہے اور جس کے حصول کے بعد جوش میں آ کر یہ کہتے ہیں ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند ٭ واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

دوسروں کو کیا خبر اس دولت کی، اندھے مادرزاد کو کیا خبر کہ نظر

ے کسے کہتے ہیں اور روشنی کیسی ہوتی ہے تحقیق کیا جائے کہ نکاح میں کیا مزہ ہے اور منکوحہ کیسی قابل قدر چیز ہے۔ اسی طرح جن کی باطنی آنکھیں پھٹ ہیں وہ باطنی دولت کی حقیقت کیا سمجھیں، وہ تو ظاہری جاہ و مال چھوڑنے والوں کو بے وقوف ہی بنا دیں گے کہ لو صاحب روپیہ پیسہ ملتا تھا نہیں لیا، سرداری مل رہی تھی نہیں قبول کی۔

اب دیکھیے یہ کس کی حالت تھی؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ (علیہ وسلم) کی پریشانی تھی، تو ادنیٰ درجہ کی حالت یہ ہے کہ عقلاء زمانہ بیوقوف کہا کریں اور دیوانہ سمجھا کریں، یہ تو بڑے فخر کی بات ہے، ایسی دیوانگی تو مطلوب ہے، یہ دیوانگی تو وہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد مرعسس را دید و در خانہ نشد

وہ دیوانہ ہے جو بحقیقت دیوانہ نہیں دیکھا اگر گھر میں گھس گیا نہیں

اور ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اگرچہ ہم قلاش اور دیوانہ ہیں مگر معشوق حقیقی کی محبت میں مست ہیں

اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی

بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

اے دل اس کی محبت میں خراب ہونا بہتر ہے۔ کیونکہ بغیر دولت کے اس طرح قاروں جیسی سیکڑوں حشمتوں کا مالک ہوگا۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ۞ شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی
لیلیٰ کے گھر کی راہ میں اگرچہ جان کو بہت خطرے ہیں ۞ مگر شرط یہ ہے کہ اس راہ میں پہلے ہی قدم پر مجنوں بن جا۔

بلکہ اگر وہ جنون گم ہو جائے تو غم ہوتا ہے اور جب وہ پھر عود کرتا ہے تو خوش ہو کر فرماتے ہیں ؎

باز دیوانہ شدم من اے طبیب ۔۔۔ باز سودائی شدم من اے حبیب
باز آمد آب من در جوئے من ۔۔۔ باز آمد یار من در کوئے من

اے طبیب! میں پھر دیوانہ ہو گیا اور اے دوست میں پھر سودائی ہو گیا۔ پھر میری خشک ندی میں پانی آ گیا۔ میرا معشوق پھر میرے کوچے میں آ گیا خوش ہوتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ دیوانگی پھر آ گئی اور عقل کو یوں خطاب کرتے ہیں ؎

آزمودم عقلِ دور اندیش را ۔۔۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اپنی عقل دور اندیش کو آزماتا ہوں اور اس کے بعد دیوانہ بن جاتا ہوں

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ۔۔۔ جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

عقل اور سمجھ کو بڑھانا سید ھا راستہ نہیں ہے شکستہ دلی ہی اس کے فضل کو حاصل کرتی ہے تو یہ حالت ہوتی ہے، تو حالت مطلوب کیا ہوئی، یہ ہوئی کہ طلب میں ایسی حالت ہو جائے کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگیں، حدیث میں بھی آتا ہے حصن حصین میں ہے اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون

اللہ تعالیٰ کی اتنی یاد کرو کہ لوگ تم کو پاگل کہنے لگیں، اور واقعی ایسی حالت ہو جاتی ہے۔

ایک بزرگ تھے، وہ خط بنواتے تھے مگر زبان سے ذکر اللہ جاری تھا، نائی نے لبیں لیتے وقت عرض کیا کہ حضور تھوڑی سی دیر کے لیے خاموش ہو جائیں ورنہ ہونٹ کٹ جائے گا،

آپ نے فرمایا کہ ہونٹ کٹ جائے گا تو کیا ڈر ہے پھر جڑ جائیگا لیکن اگر اللہ کی یاد کو میں نے منقطع کر دیا تو جو سانس غفلت میں گذرے گا اس کا کوئی تدارک نہیں، بس میں اپنا کام کر رہا ہوں تم اپنا کام کرو، اگر ہونٹ کٹتے ہیں کٹنے دو چاہے سارے ہی کٹ جائیں ذکر منقطع نہ کروں گا، ہائے مولانا نے بھی ایک ایسی ہی حکایت لکھی ہے ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل   کم گری تا چشم را ناید خلل

ایک زاہد تھے جو رویا بہت کرتے تھے، ان کے ایک رفیق نے کہا کہ کم رویا کرو ورنہ آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال   چشم بیند یا نبیند آں جمال

زاہد نے کہا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ آنکھیں وہ جمال دیکھیں گی یا نہ دیکھیں گی ؎

گر ببیند نور حق خود چہ غم است

در وصال حق دو دیدہ کے کم است

اگر ان آنکھوں سے میں نے جمال حق دیکھ لیا تو پھر ان آنکھوں
کے نہ رہنے کا کیا غم، یہ دو آنکھیں کیا، ایسی ایسی لاکھوں آنکھیں
بھی ہوں تو اس جمال پر نثار ہیں ؎

ورنہ بیند نور حق را گو بجو !! ایں چنیں چشم شقی تو کور شو

اور اگر اس جمال کو نہ دیکھا تو ایسی کمبخت آنکھوں کا پھوٹ جانا
ہی بہتر ہے، وہ آنکھ ہی کیا جس کو وہ جمال نہ دکھائی دے اور وہ
کان ہی کیا جس کو وہ خطاب نہ سنائی دے۔ ایسی آنکھ اور ایسے
کان ہی کو میں کیا کروں گا۔

حضرت یہ لوگ آنکھ کو کان کو جان کو مال کو سب کو محبت
حق میں فنا کر دیتے ہیں، ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

جب تعلق ذات حق سے بڑھتا جاتا ہے اور سب کو فنا کر کے
جاتے ہیں تو ایسوں کو لوگ بے وقوف بناویں ہی گے کہیں گے
اپنے حق میں ہو گئے ہونٹ ہی کیا بیٹھے اور کہہ دو اللہ اللہ، کوئی ایسے
سے کہے کہ میاں تمہیں کیا ہو گیا، ہو نٹ سے کچھ تو ان سے کہے تم سے تو شکایت نہیں
ایک بزرگ صرف ستو ہی گھول کر پی لیتے کہ کھانا کھانے میں
دیر لگتی ہے، حرج بہت ہوتا ہے ستو گھولا اور جلدی سے ایک
گھونٹ پی لیا پھر اپنے اللہ کی یاد میں لگ گئے ان کی طرف تو بس یہ ہے
ایسے شخص کو ظاہر ہے کہ لوگ بے وقوف ہی کہیں گے جو ہر وقت

توجہ حق کی طرف رہتی ہے، ایک استغراق کا سا عالم طاری رہتا ہے اور جب توجہ ہی کسی اور طرف نہیں تو بہت سی باتوں میں بھول ہو جاتی ہے، محبوب حقیقی کے سوا انھیں اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا بقول احقر جامع (۱۲) ؎

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
میں خود مجھوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے

؎

ہمیشہ رہتا ہوں اک بیخودی کے عالم میں
جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے

تو ایسے شخص کو اہل دنیا پاگل نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا حیرت ناک واقعہ

میں نے اپنے استاذ علیہ الرحمہ سے خود سنا مولانا علاوہ زبردست عالم ہونے کے بڑے درویش اور صاحب باطن شیخ تھے فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ خط لکھ کر آخر میں دستخط کرنے چاہے تو اپنا نام ہی بھول گیا بہت یاد کیا مگر یاد ہی نہ آیا۔

اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ اپنا نام ہی یاد نہ رہا ایسا حیرت ناک واقعہ ہے کہ اگر میں نے خود حضرت سے نہ سنا ہوتا تو یاد رآنا بھی مشکل تھا، حضرات صحابہ میں بھی اس رنگ کے ایک

بزرگ گزرے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک دن آپ کی صاحبزادی بھی ساتھ جا رہی تھیں، لوگوں نے پوچھا کہ یہ لڑکی آپ کی ہے تو آپ بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے، یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے۔ گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔

حضرت مولانا فضل رحمٰن ؒ کے استغراق کی کیفیت

میں نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ان کا بھی یہ ہی رنگ تھا، ایک بار مولانا کے پوتے کی شادی کا ہنگامہ تھا، جمع کو دیکھ کر پوچھا کہ ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔

عرض کر دیا گیا کہ حضرت کے پوتے کا نکاح ہے، فرمایا اچھا ان کا نکاح ہے، تھوڑی دیر بعد پھر فرماتے ہیں کہ ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں، پھر عرض کر دیا گیا کہ پوتے صاحب کا نکاح ہے، فرمانے لگے کہ ہاں میاں ابھی تو تم نے کہا تھا کہ نکاح ہے، ہم بھول ہی گئے، تمہارا کیا قصور ہے، ہمارا ہی یاد خراب ہے، یاد ہی نہیں رہتا۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی سوال کہ میاں یہ کیا ہو رہا ہے، یہ لوگ

کس لئے جمع ہوئے ہیں، پھر کہہ دیا گیا کہ حضرت نکاح ہے، فرمایا اے بھائی ہم تو بھول بھول جاتے ہیں کیا کریں، اب ہم پوچھیں بھی تو مت بتانا کوئی کہاں تک بتائے، اجی ہوگا، ہمیں پوچھنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی کی حکایت

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قدر استغراق تھا کہ ہمیشہ تو نماز جماعت سے جامع مسجد میں پڑھتے تھے لیکن راستہ عمر بھر بھی یاد نہ ہوا۔

یہ کیفیت تھی استغراق کی کہ حضرت کے ایک خادم تھے مختیار وہ آگے آگے چلتے اور حق حق کہتے جاتے، بس اس آواز پر چلتے جاتے اور مسجد تک پہنچ جاتے۔ کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ تیس برس تک ایک ہی مسجد میں نماز پڑھی مگر راستہ ہی یاد نہ ہوا۔

اس قدر تو استغراق تھا مگر اتباعِ سنت کا یہ حال تھا کہ کسی ادنیٰ سنت کو بھی کبھی ترک نہیں کیا، غرض تیس برس تک نماز باجماعت جامع مسجد میں ادا کی لیکن پھر بھی راستہ یاد نہ ہوا۔

وجہ یہ کہ ایک دل میں دو چیزیں نہیں سما سکتیں۔ اہل اللہ کے قلب میں ایک ایسی چیز بس گئی ہے کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش

ہی نہیں رہی، حضرت ایسوں کو عقلاء مجنون نہ کہیں تو کیا کہیں جنہیں نہ راستہ یاد نہ اولاد یاد نہ خادم یاد، عقلاء تو ایسوں کے بارے میں یہی کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے دماغ میں خلل ہے۔

ارے نادانو تمہارے ہی دماغ میں خلل ہے جو چیز ان کے اندر ہے اگر تمہارے اندر ہو تو کلیجہ پھٹ جائے (بقول احقر جامع)

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا

کر گئے نالے بھی مجھے نازِ شکیبائی ہے

یہ ان کی دماغ ہی کی تو صحت و قوت ہے کہ اس قدر ضبط ہے چنانچہ حضرت مخدوم عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر مغلوب الحال ہونے کے فرماتے ہیں

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بہ فریاد آمد اینجا مرد انند کہ

دریاہا فرو برند و آروغ نہ زنند۔

ہم تو نقل کرتے بھی جھجک ہوتی ہے لیکن ان کو حق حاصل ہے۔ فرماتے ہیں۔ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں شور مچانے لگا یہاں مرد ہیں کہ سمندر کے سمندر چڑھا جائیں اور ڈکار نہ لیں (بقول جامع ۱۲)

گر چکھے رنا ہی بس اے مجذوب اگر

ایک چلو میں یہ حالت ہو گئی

تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر ایک ایسی چیز تھی جس کو منصور بھی

ضبط نہ کر سکے۔ جب منصور سے وہ چیز ضبط نہ ہو سکی، تو اوروں سے تو کیا ہو سکتی ہے۔ ایسی چیز جس کے اندر ہو کیا اسے جامع مسجد کا راستہ یاد رہ سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی استقامت ایسی تھی کہ نماز تو نماز جماعت بھی کبھی نہ چھوٹی۔ یہ تھا اتباع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

اتباع سنت کی برکت کا راز

اور اس اتباع کی برکت ہی سے اس درجہ تک پہونچے اور یہ رتبہ پایا۔ اور اتباع میں ایسی برکت ہونے کا راز ہے جس کی متعلق پہلے ایک حکایت سن لیجئے۔ قنوج میں ایک وکیل ہیں۔ شیخ محمد عالم۔ وہ خود مجھ سے اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی اور بستی میں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک مکان کی دہلیز میں سے ایک بڑی بی کی آواز آئی انھوں نے مجھ کو بلا کر بڑی محبت سے میرے سر پر اور میری کمر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا اور بٹھلا کر میرے لئے حلوا تیار کیا اور کہا کہ اگر کبھی تمہارا آنا ہوا کرے تو میرے پاس ہو کر جایا کرو۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس بڑھیا سے نہ میری جان پہچان یہ کیوں ایسی محبت سے پیش آرہی ہے۔ آخر میں نے پوچھا کہ بڑی بی تم میری کیوں اتنی خاطر کر رہی ہو۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ تمہاری شکل کا میرا ایک بیٹا ہے وہ

بہت دن سے پردیس میں ہے۔ اس کی ایسی ہی شکل ہے جیسی تمہاری۔ تمہیں دیکھ کر وہ مجھے یاد آگیا اور اس کی سی شکل ہونے کی وجہ سے مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ تم میرے بیٹے کی شکل ہو۔ اس لئے تم پر پیار آگیا۔ یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے محبوب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو شخص آپ کی سی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کو محبت اور پیار آتا ہے۔ کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے۔ یہ راز ہے حضور کی اتباع میں خاص برکت کا اور یہ ایسا طریقہ ہے وصول کا جو سب سے زیادہ نزدیک ہے اس کو جو اختیار کریگا وہ بہت جلد پہنچے گا۔ اور وہ بہت جلد کامیاب ہوگا۔ ورنہ سہ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کے خلاف اگر کوئی چلے گا وہ کبھی بھی خدا کا وصال حاصل نہیں کر سکے گا۔ اے سعدی اس خیال کو بھی دل میں کبھی نہیں لانا چاہیئے کہ سوائے حضور کی پیروی کے دوسرا کوئی صحیح ادر حق کا راستہ ہے۔

بدون حضور کے اتباع کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ خود حق تعالیٰ ارشاد ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ کہ کہیئے یا رسول اللہ کہ اگر تم کو خدا سے محبت

ہے تو میرا اتباع کرو۔ خدا کو تم سے محبت ہو جائے گی۔ ظاہری نسقِ کلام کا یہ مقتضا تھا کہ یوں فرماتے کہ تم کو خدا سے محبت ہو جائے گی مگر یوں نہیں فرمایا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ تم تو کیا خدا سے محبت کرتے تمہارا تو کیا منہ ہے۔ ہاں خدا ہی کو تم سے محبت ہو جائے گی۔ اگر رسول کا اتباع کرو گے اللہ اکبر۔ ہم اگر چاہتے اور کوشش کرتے کہ ہم سے خدا کو محبت ہو جائے تو قیامت تک بھی یہ دولت نصیب نہ ہوتی۔ کیونکہ کہاں ممکن۔ کہاں واجب۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ لیکن اتنا بڑا رتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو صاحبو بڑی ...... چیز یہ ہے یعنی حضور کا اتباع۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی کو بھی اتنا بڑا رتبہ حضور ہی کے اتباع سے حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ آپ سے کبھی کوئی سنت ترک نہ ہوتی تھی۔ مگر استغراق اتنا رہتا تھا کہ تیس برس تک جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے آتے رہے لیکن راستہ یاد نہ ہوا۔ تو ایسا استغراق تھا۔ ایک دن ردولی سے باہر بہت دور ایک ندی کنارے جا رہے تھے۔ یہ جگہ بہت پسند آئی۔ فرمایا کہ یہ تو بڑے لطف کی جگہ ہے۔ اب ہم یہیں رہا کریں گے۔ بختیار خادم تھے عاشق [illegible] بہت اور دونوں وہیں رہنے لگے۔ بہت زمانہ کے بعد ایک

رہی پھر افاقہ ہوا تو دفعۃً دریا پر نظر پڑی۔ خادم سے فرمایا کہ
ارے میاں ردولی میں تو پہلے کوئی دریا نہ تھا۔ اب یہاں
دریا بھی بہنے لگا۔ سیر و تفریح کی جگہ ہو گئی۔ خادم نے عرض کیا
کہ حضرت یہ ردولی کہاں ہے۔ یہ تو فلانے مقام کا دریا ہے۔
ردولی سے آئے ہوئے تو حضور کو بہت دن ہو گئے۔ تب
فرمایا کہ اگر یہ ردولی نہیں ہے تو چلو بھائی یہاں سے۔ گھر سے
بے گھر ہونا ٹھیک نہیں۔ لیجئے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ ردولی ہے
یا کوئی اور مقام۔ ایسے شخص کو عقلائے زمانہ لیکن جہلائے
آخرت کیا پاگل نہ کہیں گے۔ مگر مقبول ہے یہ لقب اور مطلوب
ہے یہ حالت۔ اس واسطے کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے
کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی کہا گیا ہے۔
چنانچہ ارشاد ہے۔ وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
الَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط کفار اہل
ایمان کو ذلیل سمجھ کر ان پر ہنستے ہیں اور ان کے ساتھ تمسخر
کرتے ہیں لیکن ایمان والوں کو اس سے دلگیر نہ ہونا چاہئے
ہنسنے والے یہاں ایمان والوں پر ہنس لیں اور اپنے آپ
کو ان سے بڑھا ہوا سمجھ لیں لیکن قیامت کے روز اہل تقویٰ
ان سے بڑھے ہوئے رہیں گے اور یہ گھٹے ہوئے ہوں گے
(بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ) ؎

بسا سوار کہ آنجا پیادہ خواہد شد   بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد بود

یا بقول ملا در رسالہ مناظرہ مسٹر و ملا ؎

وہاں اپنی حقیقت تجھکو دکھلاؤں گا اے مسٹر
یہاں رکھی ہے میری کامرانی شکل حرمانی

مطلب میرا یہ ہے کہ شریعت کا اتباع کرنے والے مصالح دنیویہ کو پیش نظر کیوں رکھتے ہیں وہ کیوں یہ چاہتے ہیں کہ مصالح دینیہ و دنیویہ دونوں کو جمع رکھیں یعنی اس معنی کر کہ دنیا بھی خوب کماؤ کھاؤ اور دین کے بھی بھلے بنے رہو یا ادھر مخلوق کو بھی راضی رکھو ادھر خدا کو بھی۔ اگر خدا کو معبود اور مقصود سمجھتے ہو تو مخلوق کو راضی یا ناراض کرنے سے قطع نظر کرو۔ قصدًا تو کسی سے لڑو بھڑو نہیں لیکن اس کی بھی کوشش نہ کرو کہ مخلوق ہم سے راضی ہی رہے۔ بس اس شان کا ہونا چاہیئے مسلمان کو۔ لیکن یہ ضروری بات ہے کہ یہ شان جبھی پیدا ہو سکتی ہے جب حضور کا پورا پورا اتباع کیا جائے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اس حالت میں لوگ ملامت کریں گے مگر تمہارا یہ مذہب ہونا چاہیئے۔

سازد عشق را کنج سلامت   خوشا رسوائی کوئے ملامت

عشق کو سلامتی کا گوشہ راس نہیں آتا۔ وہ تو ملامت کے کوچہ کی رسوائی میں خوش ہے۔

اور خوش ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں ایک راز ہے۔ وہ یہ کہ جس میں ملامت ہو جاتی ہے اس میں آدمی پکا ہو جاتا ہے مثلاً کسی نے داڑھی رکھ لی تو داڑھی منڈانے والے اس پر مولانا صاحب آئے حضرت قبلہ۔ یہ ضرور ہوگا۔ اور ناگوار بھی ہوگا۔ لیکن اس کا اثر یہ بھی ہوگا کہ اگر کبھی جی بھی چاہے گا منڈانے کو تب بھی اس غصہ میں آکر نہ منڈائے گا۔ اور انکی ضد میں داڑھی رکھے گا اور بھی پختہ عزم کرلے گا۔ تو یہ نفع ہے ملامت میں۔ غرض حضور کے اتباع میں ملامت کی ہرگز پروا نہ کرنی چاہیئے۔ اگر لوگ تم پر ہنسیں یا طعن کریں تو دلگیر ہونے کی کیا وجہ ہے۔ سبحان اللہ میاں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو وہ شبہ ہے جو حضرات صحابہ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اس وقت بھی اہل ایمان پر لوگ یوں ہی ہنسا کرتے تھے۔ تو جب حضور کا اتباع کروگے لوگ ہنسیں گے ضرور لیکن اس کی کچھ پروا نہ کرو۔ اب فرض کرو تم نے کوئی شادی کی بلا رسم تو لوگ طعنے دینا شروع کریں گے اور سینکڑوں لتاڑیں پڑنی شروع ہوں گی کہ یہ بڑے متقی نکلے ہیں کہ باوا دادا سے بھی بڑھ گئے باوا دادا سے جو رسمیں چلی آرہی تھیں سب ناجائز ہی قرار دیدیں۔ ایسے کنجوس ہیں کہ برادری کا کھانا بھی اڑادیا۔ یہ سب طعن و تشنیع سن کر بھی تم خوش رہو اور کچھ پروا مت کرو۔

دنیا میں بھلا رسوائیوں سے بھی کوئی سلامت رہا ہے۔ لہٰذا خوش ہونا چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے۔

نماز و عشق را گنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

اور سنو اگر لباس شرع کے موافق پہنو گے تو جنٹلمین لوگ ہنسینگے کہ یہ کیا دقیانوسی لباس پہنا ہے اوّل جلول۔ کہتے کی جھول۔ چہرہ دیکھو تو وحشت برستی ہے۔ ارے عاشقوں کے چہرہ پر تو وحشت ہی زیب دیتی ہے۔ مانگ پٹی تو زنانوں کا شعار ہے۔ واللہ وہ عاشق نہیں جو کوٹ بوٹ سے درست ہو۔ خدا کی قسم جن کے دلوں میں محبت گھس گئی ہے انھیں اپنے سر اور پاؤں کی بھی خبر نہیں کوٹ بوٹ تو کیا پہنتے اگر ان کے پاس پھٹی جوتی اور پھٹا لباس بھی ہوگا تو انھیں عار نہ ہوگی۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ہاں وہ عاشق نہیں ہے جسے سر پاؤں کی خبر ہو جو عاشق ہوگا وہ تو ایسا ہی ہوگا جسے نہ سر کی خبر ہوگی نہ پاؤں کی۔ اور واقع میں یہ نہیں کہ اسے خبر نہ ہوگی۔ خبر تو ہوگی مگر پروا نہ ہوگی اور اب تو یہ حالت ہے کہ بھلا مرد تو مرد عورتوں نے باریک کپڑے پہننے شروع کر دیے ہیں اگر کوئی اچھے کپڑے شریعت کے موافق پہنے تو کہتی ہیں کہ یہ کیا کنجڑوں اور قصائینوں[ؑ] کے سے

ؑ قصائی کا مونث ۱۲۔

کپڑے پہنے ہیں۔ اس قدر چست اور منڈھا ہوا لباس پہنتی ہیں کہ بدن کی ساخت اور ساری ہیئت ہی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اگر اتفاق سے کسی غیر محرم کی نظر پڑ جائے تو کس قدر بے غیرتی ہے اور پائنچے ایسے چست کہ پنڈلی میں چپکی رہیں تو کھال بلکہ گوشت کی بوٹی تک ابھر آئے۔ پھر اوپر سے کھڑے جوتے حالانکہ حرام ہے۔

مردوں سے مشابہت کرنیوالی عورتوں پر لعنت

عورتوں کے لئے مردوں سے مشابہت۔ حدیث میں لعنت آئی ہے۔ ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں اور اس قدر چست پائنچے بازار والی فاسق فاجر عورتوں کا شعار ہے اور مشابہت فساق فجار کی بھی ناجائز ہے۔ اس کا منشاء فقط تفاخر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ذرا آن بان سے رہیں اور خوبصورت معلوم ہوں۔ اور کوئی یہ نہ کہے کہ یہ کیسے باولوں کے سے ڈھیلے پائنچے ہیں جیسے جھلی ماری پہنے پھرتی ہیں (یعنی سینگی لگانے والیاں) تو اب عورتیں بھی اس طرح سے طعن کرنے لگی ہیں غرض عورتوں نے بھی اب آپس میں مردوں کا سا تفاخر کرنا شروع کر دیا ہے۔ مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔ مردوں کو تو یہ مرض تھا ہی عورتوں کو بھی ہوا۔

اور مردوں کا تفاخر تو خیر چل بھی سکتا ہے کیونکہ ایک کو دوسرے کی اندرونی حالت معلوم نہیں جیسا چاہو اپنے کو ظاہر کر سکتے ہو مگر عورتیں گھروں میں آنے جانے والیاں ایک کو دوسرے کے گھر کی ہر ایک حالت کی خبر۔ یہ ایک دوسرے سے کیونکر اپنا اصلی حال چھپا سکتی ہیں اس لیئے مرد اگر تفاخر کرتے ہیں، تو ان کی اتنی بے وقوفی نہیں کیونکہ ایک کو دوسرے کا حال معلوم نہیں۔ کہ گھر میں چوہے قلابازی کھا رہے ہیں۔ قلعی نہیں کھلتی۔ بس ایک جوڑا انگریزی بنالیا۔ اور ہر موقع پر اچھے خاصے جنٹلمین بن گئے۔ جو غریب ہیں انھوں نے بھی بس ایک اچکن بڑھیا بنوالی اور ہر موقع پر وہی اچکن ڈاٹ لی اور نواب کے بچے بن گئے۔ حالانکہ گھر میں خاک بھی نہیں۔ بعض لوگ انگریزی کا ایک حروف بھی نہیں جانتے لیکن جنٹلمین رنگ روغن بناتے ہیں۔

ایک دلچسپ حکایت

روغن پر ایک حکایت یاد آئی۔ کوئی ایسے ہی تھے شیخی باز ظاہری وضع تو نہایت امیرانہ اور گھر میں کھانے تک کو نہیں۔ روز گھر سے آکر اپنے دوستوں میں شیخی بگھارا کرتے کہ آج گوشت بہت مزیدار پکا تھا۔ پلاؤ بھی اچھا تھا۔ چاہے گھر میں دال اور خشکہ بھی میسر نہ آیا ہو۔ میاں فاقہ ہی سے ہوں۔ اور ترکیب یہ کرتے

کہ گھر میں جو جلنے کا چراغ تھا اس کا تیل انگلیوں اور مونچھوں کو لگا لیتے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ واقعی نواب صاحب بہت مرغن گوشت اور پلاؤ کھا کر آرہے ہیں۔ ایک دن عجب دل لگی ہوئی۔ حسب دستور چراغ میں سے تیل لے کر جو مونچھوں کو چپڑنے لگے تو اتفاق سے بتی بھی مونچھوں میں لپٹ گئی اور چونکہ وہ جلتے جلتے چھوٹی سی رہ گئی تھی اس لئے ان حضرت کو وہ محسوس بھی نہ ہوئی۔ باہر آکر حسب عادت دوستوں میں ڈینگیں مارنے لگے کہ واللہ آج کا پلاؤ تو بہت ہی مزیدار تھا۔ ایک صاحب کی نظر جو مونچھوں پر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ چراغ کی بتی لپٹی ہوئی ہے بس ساری قلعی کھل گئی۔ کہ حضرت چراغ کا تیل لگا کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ بہت مرغن کھانے کھاتے ہیں۔ فوراً انھوں نے کہا کہ جناب بجا ہے اور دیکھئے پلاؤ کا ایک چاول بھی مونچھوں میں لپٹ آیا ہے ہاتھ پھیر کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چراغ کی بتی ہے۔ بہت ہی خفیف ہوئے تو اس شیخی بازی سے باز رہ گیا۔ خیر یہ تو اتفاقی بات تھی کہ لوگوں کو پتہ چل گیا۔ ورنہ مردوں کی شیخی تو کچھ چل بھی جاتی ہے۔ کیونکہ گھر کے اندر کا حال مردوں کو کیا معلوم۔ لیکن عورتوں کو تو ایک دوسری کا حال معلوم ہے۔ کہ اتنے پانی میں ہے پھر شیخی کیسی۔ پھر بیگم صاحبہ خواہ مخواہ ہی اینٹھ مروڑ میں مری جاتی ہیں

پھر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر لباس قیمتی ہی پہننے کا
شوق ہو تو پہنو۔ لیکن ایک تو شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے
دوسرے زینت میں غلو نہ ہو۔ بس اتنا تجمل کافی ہے کہ کوئی
ذلیل نہ سمجھے۔ کوئی باولا نہ کہے (یعنی پاگل) اور اصلی بات تو یہ ہے
کہ نہ ذلت کی پروا ہو نہ بدنامی کی یہ دونوں شانیں عشق کے
لوازم میں سے ہیں یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ اور لَا يَخَافُونَ
لَوْمَةَ لَائِمٍ اسی طرف اشارہ ہے محبین پر تو ملامت ہوتی
ہے مثلاً پردہ ہی ہے۔ بعض عورتیں جو متشرع ہیں وہ سب
نامحرموں سے پردہ کرتی ہیں۔ حتی کہ چچازاد بھائی سے بھی۔ ان
کے اوپر بڑے طعن ہوتے ہیں کہ بھلا بھائی سے بھی کہیں پردہ
ہوتا ہے۔ عورتوں کے نزدیک چچا کا لڑکا ایسا ہے جیسے
سگا بھائی۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سگا بھائی ہے لیکن ایسا
سگا ہے جو سگ سے ماخوذ ہے اور الف جو آخر میں ہے
وہ ایسا ہے جیسے کسی بڑی ہانڈی کو ہنڈا کہہ دیتے ہیں۔ اسی
طرح یہاں سگا کے معنی ہیں بڑا سگ۔ ایک شہری بچہ سے
کسی نے پوچھا کہ فلانا تمہارا سگا بھائی ہے۔ تو وہ کہتا ہے
کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے۔ سگ تو کتے کو کہتے ہیں۔ چھوٹا سا
بچہ تھا۔ لیکن کسی سے سن لیا ہوگا کہ سگ کتے کو کہتے ہیں۔ تو کہتا
ہے حقیقی بھائی کہیے۔ سگا نہ کہیے۔ تو غرض یہ کہ عورتیں چچازاد

بھائی کو مثل حقیقی بھائی کے سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس سے کیا پردہ۔ عورتیں تو عورتیں ایسے پردہ سے مرد بھی خفا ہیں کسی نے ہمت کر کے اپنے قریبی نامحرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کرنا شروع کیا تو اب چاروں طرف سے اعتراض کی بھرمار ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میاں کچھ نہیں اب عزیزوں میں آپس میں محبت ہی نہیں رہی۔ دوسرے صاحب بھی اینٹھ گئے کہ ان کے گھر جاویں تو کیا دیواروں سے بولیں اب ہم ان کے یہاں جانا ہی بند کر دیں گے۔ سبحان اللہ کیا عزیزوں کے تعلقات اور آپس کا میل جول بے پردگی ہی پر موقوف ہے۔ اگر یہ معنی ہیں تو یہ نعوذ باللہ اللہ میاں پر اعتراض ہے کہ ایسے قریبی رشتہ داروں کو بھی نامحرم قرار دے دیا استغفر اللہ۔ مگر اسی میں بعض ایسی بھی ہمت والیاں ہیں کہ چاہے کوئی ہو وہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں آئیں۔ چاہے کوئی برا مانے یا بھلا مانے اور اکثر جگہ تو پردہ کی ایسی کمی ہے کہ عرض نہیں کچھ نہیں۔ دور دور کے رشتہ داروں کو بے تکلف گھر میں بلا لیتی ہیں اور بے محابا ان کے سامنے آجاتی ہیں یہ بالکل ناجائز ہے اور گناہ ہے۔ مردوں کو چاہیے کہ وہ انھیں تنبیہ کریں اور سب نامحرموں سے پردہ کرائیں۔ اگر کسی کو ناگوار ہو تو بلا سے ہو۔ کچھ پرواہ مت کرو۔ ہرگز ڈھیلا پن

نہ برتیں۔ بلکہ مردوں کو چاہیئے کہ اگر کوئی نامحرم رشتہ دار عورت ان سے پردہ نہ کرے تو وہ خود ان سے چھپا کریں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مرحوم کا تقویٰ

میری ایک خالہ تھیں۔ یعنی میرے والد صاحب کی سالی۔ یہ دستور ہے ہی کہ عموماً سالیاں بہنوئی سے پردہ نہیں کرتیں۔ چنانچہ وہ بھی والد صاحب کے سامنے آتے لگیں۔ والد صاحب اگرچہ عمر میں ان سے بہت بڑے تھے اور باپ کے برابر تھے۔ لیکن ان کو غیرت آئی اور سامنے آنے سے منع کر دیا۔ انھوں نے مانا نہیں اور پھر بھی سامنے آگئیں۔ گو والد صاحب دنیا دار تھے مگر غیرت دار بڑے تھے۔ ایک بار خوب ڈانٹا کہ خبردار جو کبھی میرے سامنے آئی۔ ٹانگیں توڑ دوں گا۔ بہت برا مانا اور بہت روئیں کہ بھائی نے مجھے ایسا کہا مگر پھر کبھی سامنے نہیں آئیں پردہ کرنے لگیں تو انھوں نے برا مانا۔ والد صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پردہ کرا کر چھوڑا۔ اسی طرح تم کرو۔ اگر کوئی برا مانتا ہے مانا کرے۔ کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ برا مان کر کوئی کرے گا کیا۔ اچھا تم سے سب ناتے چھوڑ دیں۔ کوئی اپنا نہ رہے گا یوں ہی تعلق خلق سے گھٹے گا۔ جب کوئی اپنا نہ رہے گا اور

سب سے توقع منقطع ہو جائے گی۔ تب تو سوچے گا کہ بس جی اب تو اللہ میاں ہی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ بقول کسی کے ع جب گیا تنگ بتوں سے تو خدا یاد آیا۔ (بقول جامع ۱۲)

ے

اب مرا دست طلب سست عصا ہونے کو ہے — دشمنی ہر خلق میری رہنما ہونے کو ہے
کوئی مت پوچھو مجھے میرا خدا ہونے کو ہے — بیکسی ہی سے حصول مدعا ہونے کو ہے

اب سمجھے گا کہ اعزہ اقربا، یار دوست یہ سب حجاب تھے اب کوئی حجاب نہ رہا (بقول جامع) ے

اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست — سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

اب خدا کے ہنو۔ جتنے تعلقات کم ہوں اتنا ہی اچھا ہے ہمارے ایک بزرگ تھے ماموں امداد علی صاحب۔ ویسے تو آزاد منش درویش تھے مگر باتیں بڑی حکمت کی فرمایا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ تارک الدنیا ہونا تو بہت مشکل ہے۔ مگر ہاں جب کسی پر میاں کا فضل ہوتا ہے تو اس کو متروک الدنیا بنا دیا جاتا ہے یعنی ایسے اسباب غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ خود دنیا اس کو چھوڑ دیتی ہے۔ یہ صورت ہوتی ہے ترک دنیا اور ترک تعلقات کی یعنی جب متروک الدنیا ہو گیا تو دنیا سے نفور ہو کر تارک الدنیا بھی ہو ہی گیا۔ اور بھائی یہ تو سوچو کہ کیسے کیسے راضی کرو گے۔ راضی تو ایک ہی

ہوتا ہے کئی تو راضی ہوا نہیں کرتے تو حضرت یہ سمجھئے کہ صرف ایک اللہ کو راضی رکھیئے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشَاكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا (ترجمہ) اللہ تعالے نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں، جن میں باہم ضد اضدی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا ہے کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے ؎

دل آرامے کہ دل در و بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ایک ہی دل آرام کی طرف دل کو لگاوے۔ اور تمام دنیا سے آنکھ پھیر لے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک مرد اور بازاری عورت کی محبت میں اس کی رضا مندی کی خاطر اپنی آبرو۔ جائداد۔ خاندان کی عزت سب برباد کر دیتے ہو۔ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تو کیا خدا کی محبت اس سے بھی کم ہو گئی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولا کے کم از لیلے بود　　گوئے گشتن بہر او اولٰے بود

مولا کا عشق لیلے کے عشق سے کم نہیں ہو سکتا۔ مولا کے عشق میں لٹو ہو جانا بہتر ہے

کیا عشق مولا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہو گیا۔ دیکھو لیلے کی محبت میں مجنوں کی کیا کیفیت تھی۔ پھر تم خالق لیلے کے مجنوں ہو

تمہاری تو اس سے بھی بڑھکر حالت ہونی چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی ناراضی کا خیال نہ کرو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ باولے ہو بلکہ مستقیم رہو شریعت پر اور پختہ کار ہو جاؤ محبت میں۔ اگرچہ سارا جہان خلاف ہو جاوے ساری دنیا لتاڑ دے۔ برا بھلا کہے۔ ملامت کرے۔ بقول احقر جامع

تری رضا رہیں ہے سارا جہاں خفا ہم سے
اگر یہی ہے تر یاب تب تو کچھ زیاں نہ ہوا

بلکہ ملامت سے تو عشاق خوش ہوتے ہیں اور ایک رانگ خوش ہونے کا۔ ایک تو اس سے خوش ہوتے ہیں کہ الحمد للہ ہمیں لوگ اللہ میاں کا عاشق سمجھتے ہیں۔ ایک یہ کہ ضد میں دین اور پختہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً شادی کی اور بارات میں صرف چار آدمی لے گئے۔ پھر اس پر چاروں طرف سے لتاڑ پڑنا شروع ہوا تو اس سے اور بھی جڑ پیدا ہو جائے گی اور ضد میں آکر کہے گا کہ اب کی بار اس سے بھی مختصر لو۔ اب کے تو چار آدمی بھی تھے اب کے دیکھنا انشاء اللہ جو چار آدمی بھی ہوں۔ کرو میرا کیا کرتے ہو۔ اگر لتاڑ نہ پڑے تو اتنے پختہ نہ ہوں جتنے لتاڑ میں پختہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے لتاڑ بھی اللہ میاں کی بڑی رحمت ہے۔ بس تو نیک کام پر اگر لتاڑ پڑے تو خدا کا شکر کرو۔

خلاصہ یہ کہ طریق محبت ہے اصل لیکن اس کے ساتھ عمل

اس طریق کی اصل محبت ہے مگر اسکے ساتھ عمل کا ہونا شرط ہے

بھی ضروری ہے اس واسطے کہ اگر عمل نہ کیا تو محبت باقی نہیں رہتی بلکہ گھٹ جاتی ہے۔ اور گھٹتے گھٹتے بالآخر بالکل ہی فنا ہو جاتی ہے جیسے چراغ میں اگر تیل ڈالنا چھوڑ دیا تو لو کم ہوتی چلی جائے گی اور رفتہ رفتہ چراغ گل ہو جائیگا۔ چنانچہ اسی طریق محبت کی طرف اشارہ ہے آیت کے اس جزو میں یحبھم ویحبونہ یعنی وہ لوگ ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرینگے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرینگے اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے۔ آگے ان کی علامت مذکور ہے کہ وہ کیسے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یعنی اللہ کے ماننے والوں کے سامنے تو نرم ہیں کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کے متعلقین سے بھی محبت ہوتی ہے اور اللہ کے مخالفین کے سامنے سخت ہیں یعنی فقط یہی نہیں کہ ان سے محبت اور میل جول نہیں بلکہ ان سے اعراض ہے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ ہے۔ محبت کا تو یہی مقتضا ہے محبوب کے مخالفین سے اعراض ہو جا

یہ کیسی محبت ہے کہ محبوب کی نافرمانی کرنے والوں سے بھی محبت ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط آپ نہ پاویں گے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔ کہ وہ دوستی کریں اللہ و رسول کے مخالفوں کے ساتھ چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا چاہے ان کا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان سب کو مخاطب کر کے صاف کہہ دیا۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

ہزاروں رشتہ دار جو کہ خدا سے بیگانہ ہوں۔ خدا کا فدائی ان سے بیگانہ رہتا ہے اور صاف کہدیا کہ سن لو صاحب ہم میں تم میں میل نہیں ہے ہمارا تمہارا مذہبی اختلاف ہے۔ ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں بس معاف کرو۔ خیر اگر اتنی ہمت نہ ہو تو کم از کم محبت اور دوستی تو نہ ہو۔ مثلاً میل جول۔ شادیوں میں شرکت وغیرہ۔ یہ اور بات ہے مصلحۃً مل گئے صاحب سلامت ہو گئی۔ حدیث شریف میں

بھی اہل باطل کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے لَا تُصَلُّوْا عَلٰی جَنَازَتِہِمْ وَلَا تَعُوْدُوْہُمْ۔ یعنی اگر بیمار پڑیں تو جا کر ان کی عیادت مت کرو۔ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ کی نماز مت پڑھو۔ اگر مخالفین حق سے قطع تعلق ہی ہو گیا تو ہو جانے دو۔ آخر یہ علاقے کیا کام آئیں گے۔ بلکہ ان علاقوں کے تو قطع ہو جانے پر حق سبحانہ تعالیٰ ایسی ایسی بشارتیں دے رہے ہیں فرماتے ہیں۔ اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے۔ آگے سبحان اللہ کیا وعدہ ہے وَاَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ۔ یعنی خدا نے مدد کی ان کو ایک روح کے ساتھ وہ روح کیا ہے۔ نسبت باطنی خدا کے ساتھ۔ اس سے ایسی قوت قلب میں پیدا ہوتی ہے کہ اگر سارا عالم بھی مخالف ہو جائے تو کچھ بھی پروا نہیں ہوتی۔ تعلق مع اللہ سے ایک نور قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ اس نور کو روح اس لئے کہہ دیا کہ اس سے قلب میں حیات پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق بڑھتا ہے کہ بس یہ شان ہو جاتی ہے۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس ۔۔۔ ہمیں ست بنیاد توحید و بس

ایک خدا کے ماننے والوں کے قدموں میں اگر دولت ڈال دی جائے تو

خدا کی محبت میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اگر اس کے سر پر ہندی تلوار (جو کہ دھار کی تیزی میں مشہور ہے) رکھ دی جائے تو خدا کی محبت میں وہ اس سے نہیں ڈرے گا یہی توحید کی بنیاد ہے۔

اور بھی بشارت سنیے وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ یعنی ان کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس سے بھی بڑی نعمت یہ ہوگی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے۔ پھر فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ یہ خدا کی جماعت ہے یہ خدائی پارٹی ہے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط اور سن لو کہ خدا ہی کی پارٹی کے لوگ فلاح پانے والے ہیں تو حضرت اب کیا تو برادری اور کیا رشتہ داری دور دور کی کہتے ہیں کہ صاحب برادری کو نہیں چھوڑا جاتا تو پھر اللہ میاں کو چھوڑ دو کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دل میں اللہ بھی ہو اور اللہ کا مخالف بھی ہو۔ تو حضرت نماز روزہ تو ہے مگر محبت نہیں جس کے آثار آگے مذکور ہیں۔ یہ آثار مسلمانوں میں کم ہیں الا ماشاء اللہ۔ محبت کے آثار یہ ہیں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اللہ والوں کے ساتھ نرم ہیں اور اللہ کے مخالفوں کے ساتھ سخت ہیں۔ ایک تو یہ آثار ہیں

دوسرے آثار گیا ہیں یعنی عادت بھی ویسی نہ ہو جو ہماری اتباع سنت کی محنت کے عمل کرتے ہیں۔ تو دیکھئے محبت کے آثار میں سے عمل بھی ہے اور صاحب کیوں نہ ہو۔ اگر محبت ہو تو وہ ظاہر کیوں نہ ہوگی (بقول شخصے ؏ ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو) بلکہ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ اگر کہیں تمہارا محبوب مدتوں کے بعد ترستے ترستے تم کو مل جاوے تو بھائی ایمان سے کہو تمہارا کیا جی چاہیگا؟ کیا یہ جی نہ چاہیگا کہ اس کو فوراً اسلام کریں اور دوڑ کر اس کے پاس پہنچیں اور جاکر اس سے لپٹ جائیں۔ اور کیا مزے لے کر اس سے گفتگو نہ کروگے۔ اور کیا زبان سے یہ نہ کہوگے کہ الحمد للہ کا شکر ہے مدتوں کی آرزو پوری ہوئی اور کیا دعائیں نہ دوگے کہ خدا عمر دراز کرے۔ اور زیادہ ہمت ہوئی تو کیا اس کی جوتیاں بھی ہاتھ میں لے کر سر آنکھوں پر نہ رکھوگے اور کیا اس کے تلووں سے آنکھیں نہ ملوگے غرض کیا کیا نہیں کروگے اگر اس سے محبت ہے اور ایک عاشق ایسا ہے کہ معشوق ملا اور یہ منہ پھیر کر بیٹھ گئے کسی نے پوچھا یہ کیا۔ کہا تم کیا جانو ہم اہل باطن ہیں۔ ہمارے باطن میں محبت بھری ہوئی ہے ہمارا باطن لبریز ہے محبت سے مگر اظہار کی ضرورت نہیں۔ بھائی دنیا میں کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو محبت ہے بلکہ ہر شخص یہی کہے گا اور

بالکل سچ کہے گا کہ جھوٹا ہے۔ مکار ہے ؎

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبّہ
ہذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعتہ
ان المحب لمن یحب مطیع

(ترجمہ) نافرمانی کرتا ہے تو خدا کی اور ظاہر کرتا ہے اس کی محبت کو یہ قسم ہے میری جان کی کہ عجیب بات ہے اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب جس سے محبت رکھتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔ تو بھلا ایسے شخص کو بھلا کوئی بھی عاشق کہے گا۔ جو کوئی سنے گا یہی کہیگا کہ واہ صاحب اچھے عاشق ہیں اور اچھی محبت ہے کہ معشوق نے پکارا تھا۔ بولے ہی نہیں۔ بلایا تھا گئے ہی نہیں۔ یہ شخص ہرگز عاشق نہیں۔ جھوٹا ہے۔ نالائق ہے خواہ مخواہ شیخی بگھارتا ہے کیا عاشق ایسے ہوتے ہیں۔ اجی حضرت یہ تو بڑی بات ہے کہ کہنا نہ مانا۔ اہل صدق نے تو ذرا سی بات سے عاشق کو اہل وفا کے زمرہ سے خارج کردیا ہے۔ چنانچہ کسی ہوسناک کا شعر تھا ؎

اس کے کوچہ سے جب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے رو بقفا جاتے ہیں

اب سنئے ایک عاشق نے اس کا کیا خوب جواب دیا ہے
وہ کہتا ہے ؎

اس کے کوچے سے کب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں
وہ ہوس ناک ہیں جو روبقفا جاتے ہیں

جو عاشق ہوگا وہ کوچۂ محبوب سے اٹھ کر ہی کیوں جائے گا محبوب ہی اٹھ کر چلا جائے تو یہ دوسری بات ہے تو دیکھئے اس کو بھی خلاف محبت کہا۔ صاحب اللہ رسول کی محبت کا تو دعویٰ اور حال یہ کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز پڑھو تو آپ کہتے ہیں نہیں صاحب میں تو نہیں پڑھتا۔ جب زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں تو کہتے ہیں میں نہیں دیتا۔ جب روزہ کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں میں نہیں رکھتا۔ اسیطرح جب خلاف شرع لباس سے شرک سے بدعت سے منع کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں صاحب میں تو نہیں مانتا اور کہنے کو اللہ کے عاشق ہیں۔ زبان پر ہے ہائے اللہ یہ اچھے عاشق ہیں صاحب میں کہتا ہوں کم سے کم جیسے مخلوق کی محبت تھی کہ محبوب کو دیکھتے ہی رہ نہ سکا بدون ہاتھ پاؤں چومے۔ بدون لپٹے۔ بدون قدموں پر گرے۔ بدون بلوے جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانے سے۔ گر پڑنے سے۔ تعریف کرنے سے کیسے رہا گیا۔ اگر محبت ہوتی تو تعظیم کے کلمات بھی کیوں نہ زبان سے نکلتے جھک بھی کیوں نہ جاتا۔ سجدہ میں بھی کیوں نہ گر پڑتا۔

اسی کا تو نام نماز ہے۔ تو نماز تو پڑھتے نہیں اور اللہ کے عاشق ہیں۔ اچھے عاشق ہیں۔ کوئی شعر سنا تھا یا گانا بجانا سنا تھا اس پر کودنے لگے۔ بس عاشق ہیں۔ اگر یہی ہے تو پھر سانپ بھی اولیاء اللہ ہیں۔ کیونکہ جب بین کی آواز سنتے ہیں تو وہ بھی مست ہو جاتے ہیں۔ آدمی کیا بہت سے جانور بھی گانے بجانے پر عاشق ہیں۔ بھلا یہ کوئی محبت ہے

عاشقین کی کیفیت

محبت تو وہ چیز ہے کہ خدا کی قسم نہ گانے کی ضرورت نہ بجانے کی ضرورت اور بے چین ہیں ؎

کسانیکہ یزداں پرستی کنند　　　　بر آواز دولاب مستی کنند

جو اللہ کے عاشق ہیں وہ رہٹ کی آواز پر بھی مست ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ تو ان کی ہر وقت یہ شان ہے ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش　　　　اگر ریش بینند وگر مرہمش
دمادم شراب الم درکشند　　　　وگر تلخ بینند دم در کشند

اس کے غم (محبت) میں مبتلا رہنے والے اگر زخم بھی کھاتے ہیں اور مرہم بھی مہیا رکھتے ہیں۔ تو ہر حالت میں شراب الم پیتے رہتے ہیں اور اسکی تلخی کو محسوس نہیں کرتے ؎

گدایانے از پادشاہی نفور　　　　بامیدش اندر گدائی صبور

ایسے گدا ہیں جو پادشاہی سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اس کے وصل کی امید میں فقیری پر صابر رہتے ہیں۔

حضرت ان کے سر پر ہر وقت آرے چلتے رہتے ہیں۔ انکی حالت کی دوسرے کو کیا خبر کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند!

تیرے پیروں میں کبھی کانٹا نہیں چبھا تو کیا جانے ان شیروں کا حال جو مصیبت کی تلوار ہر وقت سر پر کھاتے ہیں۔

کسی کو کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے وہاں تو ہر وقت یہ حالت ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی دیگر است

خدا کی تسلیم و رضا کی خنجر کے مارے ہوؤں کو غیب سے ہر وقت دوسری زندگی ملتی ہے انکی حالت تو یہ ہے کہ ان سے ذرہ برابر نافرمانی نہیں ہوتی حضرت عشق اور محبت تو یہ ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یُجَاهِدُونَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں یعنی صرف عمل نہیں بلکہ سخت سے سخت محنت کے کام کرتے ہیں۔ پھر ایسوں کو بھلا کہاں بھوک پیاس۔ کہاں چین آرام۔ کہاں حظوظ و لذائذ کا اہتمام! کہاں مرغن کھانوں کی رغبت۔ ہاں خدا دے تو کھا بھی لیتے ہیں مگر اہتمام نہیں نہ ان چیزوں سے ان کو دلچسپی بلکہ ان کا مذہب یہ ہوتا ہے ؎

عاقبت سازو ترا از دیں بری
ایں تن آرائی و ایں تن پروری

اپنی عاقبت کو سنوار۔ یہ تن آرائی اور تن پروری تجھکو دین سے بیگانہ کردیں گے وہ تو ان سب خرافات سے یکسو ہو چکے ہیں اور ہر وقت خدا جانے

کس شغل میں ہیں۔ (بقول احقر جامع) ؎

اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست — سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

چونکہ وہ اہل محبت ہیں اس واسطے سخت سے سخت کام بھی کر لیتے ہیں مشکل کام بھی ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ (بقول احقر جامع) ؎

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

تو دیکھئے خود حق تعالیٰ کے ارشاد یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا کہ محب کے واسطے عمل معاف نہیں بلکہ اس پر اور زیادہ محنت پڑتی ہے۔ نیز محبت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے کوئی کچھ کہے پروا نہیں کرتے۔ اپنے کام میں مشغول ہیں۔ کوئی کچھ کہا کرے۔ ذرہ برابر التفات نہیں کرتے۔ آگے فرماتے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتے ہیں وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ط اور اللہ میاں بڑی وسعت والے ہیں۔ چاہیں تو سب کو یہ نعمت عطا فرما دیں مگر وہ علیم بھی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کون دینے کے قابل ہے۔ کون نہیں جو مانگتا ہے اسی کو دیتے ہیں کسی کے سر نہیں منڈھتے۔ یہ ہے آیت کا ترجمہ۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان لوگوں کی مدح ہے اور مدح کا کیا حاصل ہے۔

قلندر کی شان

مرح کا حاصل یہ ہے کہ خدا اسی کامل محبت رکھتے ہیں۔ خدمت اور اطاعت میں پوری مشقت اٹھاتے ہیں۔ اور کسی کی ملامت سی نہیں ڈرتے۔ بس اسی شان کے شخص کو قلندر کہتے ہیں اور یہی معنی قلندر کی حضرت عراقی کے اس شعر میں ہیں ؎

صنارہ قلندر سزا وار بمن نمائی ۔ کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

تو گویا عراقی کا شعر خلاصہ ہے قرآن مجید کی آیت کا اور قرآن مجید کی آیت تفصیل ہے عراقی کے قول کی۔ پس قلندر وہ ہے جس میں عمل اور محبت دونوں جمع ہوں اور جس کی یہ شان ہو ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ۔ ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

ایک ہاتھ پر شریعت کا جام دوسرے ہاتھ پر اہرن۔ ہر ہوسناک ان دونوں کو استعمال کرنا نہیں جانتا۔

احقر جامع کا شعر ہے ؎

دیکھا نہ زمانہ میں مجذوب سا مستانہ ۔ فرزانہ کا فرزانہ۔ دیوانہ کا دیوانہ

اور رہ پارسائی وہ ہے جس میں نرا عمل ہو بلا محبت۔

رہ قلندر کا طریق عمل

اب میں صرف پانچ منٹ اور بیان کروں گا پھر ختم کر دوں گا چونکہ بہت دیر ہو گئی ہے اس لیے نیت تو یہیں ختم کر دینے کی تھی لیکن

اصل مقصود بیان کرنے سے باقی رہ گیا ہے یعنی رہ قلندری کی حقیقت تو بیان
ہو چکی ہے مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض حقیقت
کا معلوم ہو جانا عمل کے لئے کافی نہیں۔ لہذا رہ قلندری کی تحصیل کا طریق بھی
بیان کرتا ہوں۔ اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت و عمل
دونوں کا جامع ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا
چاہیے۔ سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائیگا
پس اس کا یہی طریق ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو۔ تو لیجئے
میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں۔ وہ نسخہ
مرکب ہے چند اجزاء سے۔ اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ غور سے
سنئے وہ چند چیزیں یہ ہیں۔ سب سے اول ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر
میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس
کو بہت دخل ہے محبت پیدا کرنے میں۔ چاہے تجربہ کر لو۔ روز روز کسی
کے پاس جایا کرو۔ دیکھو محبت ہو جاوے گی پہلے تھوڑی ہوگی پھر چلتے
جاتے ایسا تعلق ہو جاوے گا کہ بہت ہی زیادہ۔ غرض یہ امر مسلم ہے
کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ
پاس کی محبت اس کی اصل یہی تو ہے۔ غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اس سے
محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو
مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں مگر محبت پیدا نہیں ہوئی۔ جواب یہ ہے
کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہی جزو تو نہیں کہ بس عمل کر لیا۔ بلکہ

وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی ایک جزو تو عمل کرنا ہے دوسرا جزو یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے۔ مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے۔ نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اس کا مامور بہ طریق ہے اس طریق سے اس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے پیدا نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ کی محبت بڑھ جاوے عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جاوے۔ سو اس نیت سے عمل کرو۔ پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے۔ بہرحال ایک جزو تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت از دیاد محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لو جی لگا کر یعنی تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو۔ تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ ہاں تم مکمبل تو ہو گئے یعنی کمبل پوش باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھاوے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے

پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا۔ غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔ لہذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی۔ تو وہاں ہوتی ہے اصلاح پہنچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہو گئی۔ تو اب یہ حضرت گھبرا گئے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے۔ ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انہوں نے لتاڑنا ہی شروع کر دیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں۔ یہ کیسے اللہ والے ہیں۔ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جا کر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے۔ حلوے ہی ہمارے لیے تجویز کرنا۔ ذرا حماقت تو دیکھئے۔ حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہو رہے ہیں۔ معدہ بھی خراب ہے ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت۔ اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اس کی کیوں رعایت کرتا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا۔ لیکن اس نے قصداً قے کر کے سارے پیئے ہوئے مسہل تو پیٹ سے نکال دیا۔ آپ قے کرتے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے

جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر میں حلوے کھایا کرتے تھے حکیم جی نے نہ جانے کیا الا بلا پلا دی۔ کاش کوئی خیر خواہی سے کہتا کہ ارے بے وقوف تو کیا سمجھے۔ تجھے جو وہ اس وقت کڑوا مسہل پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کر رہا ہے بلکہ دراصل وہ تجھے حلوے کھلانے کے قابل بنا رہا ہے۔ ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں۔ ایسی ہی حالت میں تو حلوہ کھانے سے تجھے دست ہو رہے ہیں۔ تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوتی ہے۔ مولانا نے مثنوی میں اسی مضمون کو ایک حکایت کے ضمن میں لکھا ہے۔ حکایت یہ لکھی ہے کہ ایک قزوینی نے ایک دلاک سے کہا کہ تم میرے شانہ پر ایک تصویر شیر کی گود دو۔ چنانچہ اس نے گودنا شروع کیا اور سوئی لے کر بیچ سے کر دیا۔ قزوینی کو جو تکلیف ہوئی تو ہائے واویلا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ارے میاں یہ کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ کیا کر رہا ہوں شیر کی شکل بنا رہا ہوں۔ پوچھا کس عضو سے شروع کیا ہے کون سی چیز بنا رہے ہو۔ کہا دم کی طرف سے شروع کیا ہے دم بنا رہا ہوں۔ کہا میاں اس شیر کے لئے دم کی کیا ضرورت ہے۔ دم ہی کا تو ہی۔ اجی چھوڑو بھی اس دم کو۔ میرا تو اس نے دم ہی نکال دیا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے شروع کیا۔ پھر بیچ سے سوئی چبھوئی۔ پھر وہ چیخنے چلانے لگا اور پھر پوچھا

کہ اب کون سا عضو بنا رہے ہو۔ کہا اب کی دفعہ کان بنا رہا ہوں۔ وہ بولا۔ ارے میاں بغیر شیر بوچے بھی تو ہوتے ہیں۔ کان بھی چھوڑ دو۔ بوچا ہی شیر سہی، پھر تیسری جگہ سوئی لگائی تو وہ پھر چلانے لگا۔ اور پوچھنے لگا کہ بھائی اب کیا بنا رہے ہو۔ کہا پیٹ۔ کہا میاں تم بھی عجب آدمی ہو اجی وہ سر اکھائی پیے گا تھوڑا ہی جو پیٹ بنا رہے ہو۔ یہ بھی رہنے دو۔ اب تو دلاک کو بڑا غصہ آیا۔ سوئی اٹھا کر زمین پر پھینک دی اور جھلا کر کہا ؎

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید

بے کان بے سر بے پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے۔ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا۔

میاں ایسا شیر تو خدا نے بھی بنایا جس کے نہ سر ہو نہ کان نہ پیٹ۔ پھر مولانا اس سے نتیجہ نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن

از چنیں شیر ژیاں پس دم مزن

جب تو سوئی چبھونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ایسا شیر بنوانے کا نام ہی مت لے۔

تم جو شیخ کے پاس اصلاح کی غرض سے آئے ہو تو اس کی جتنی اور نشتر کو برداشت کرو اور اگر بزدلی کی طرح سوزن کی برداشت

نہیں ہے تو شیر کا نام ہی مت لو۔ اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو۔ بھائی وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی پھوڑا لے کر گئے تو نشتر لگے ہی گا۔ اب وہاں نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ہے

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

عشق کے ایک ہی زخم سے گھبرا کر بھاگ گیا سوائے نام کے عشق کی نسبت تو اور کچھ نہیں جانتا۔

بس نام ہی نام ہے عشق کا۔ ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگ گئے۔ وہاں تو ادب یہ ہے کہ ؎

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش سست و ریزندہ چو آب و گل مباش
در بہر زخمے تو پر کینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

کسی کو اپنا پیر بنا کر کمزور دل مت رہ مٹی کی مانند سست اور پانی کی مانند آنسو مت بہا۔ اور اگر ہر زخم پر تو غصہ کرے گا تو بغیر قلعی کے مصفا آئینہ کیسے ہو سکے گا۔

یہ مصیبت ہو گئی ہے۔ تو حضرات نرا وظیفہ اصلاح کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ نرے وظیفے والے پیروں سے۔ واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے تو اہلِ محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو۔ تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائے گا۔ اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہو گے کہ تمہاری

نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

چو حافظ گشت بیخود کے شمارد
بیک جو مملکت کاؤس و کے را

حافظ جو عشق حقیقی میں بیخود ہو گیا وہ کاؤس اور کے کی بادشاہت کو جو کے ایک دانہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

جامعؔ کے شعر ہیں ؎

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر ؎
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لے گا۔ وہ ایسا ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہو گا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا۔ نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وبا کا۔ کوئی غم نہ رہے گا۔ بس۔ بالکل جنت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہو گا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض۔ بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہو گا۔ مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار۔ اس شخص سے

اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دیدیں تو کبھی نہ بدلے گا۔

طریق قلندریہ کا حاصل

تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کرکے شریعت کے پابند رہو ظاہراً اور باطناً اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ لو جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کرکے دکھلاویگا وہ یحبہم ویحبونہ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جاویگا۔ ضرور ہو جاویگا ضرور ہو جاویگا ضرور بالضرور ہو جاوے گا۔ لو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کرکے دیکھ لے اور تجربہ کرلے۔ اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے۔ اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پھندہ ہے۔ بیعت کی صورت ضروری نہیں اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے (احقر جامع کا شعر ہے)

تین حق مرشد کے ہیں رکھ ان کو یاد — اعتقاد و اعتماد و انقیاد

جیسے طبیب سے رجوع کرتے وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ تحقیق نیت کرتا ہوں میں کہ آج سے بناؤں گا تم کو طبیب اپنا۔ اللہ اکبر۔ اسی طرح

اس کی کیا ضرورت ہے کہ پیر کہے میں نے تمہیں مرید کیا اور مرید کہے میں نے تمہیں پیر بنایا۔ اس پٹہ اور قبولیت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر پکے کاشتکار ہو گے اور طریقہ سے کاشتکاری کرو گے تو بلا پٹہ اور قبولیت کے بھی غلہ پیدا ہو گا۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو۔ بس ہو گیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہو گا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجیب حال ہے کہ کام بتائے تو نہ کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے۔ ان سے تو لوگ بہت خوش ہیں۔ اور میں مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیری کے وہ جو انچھر ہیں پیرجی کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پیرجی کے دو انچھر بتا دے گا۔ اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ ڈھیر سے تھے انچھر۔ ڈھیر سے تھے بھید ڈھلے تھے۔ میاں خدا رسول کا نام لو اور احکام بجا لاؤ۔ بس یہی انچھر ہیں۔ اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو۔ یہی بھید ہیں اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم یہ آواز دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے۔ اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے۔ بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی یہ سب ہو گا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔ بھائی حالات تو

سڑک کے درخت ہیں۔ سڑک تو بہرحال قطع ہوگی۔ درختوں اور پھولوں کا نظر نہ آنا سڑک کے قطع ہونے کے لیے ضروری نہیں نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی نہ نظر پڑیں گے تب قطع۔ پس چلتے رہنا شرط ہے۔ اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے۔ واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ طریق میں ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ درخت لگے ہوں۔ گلاب اور بیلے کے۔ کبھی نظر نیچی کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا نہ نظر پڑیں افسوس ہے تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ چلے کھینچو۔ بیوی کو طلاق دیدو۔ اولاد کو عاق کر دو، دروازہ کو بند کر دو۔ چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ۔ بدون اس کے اصل فقیری ملتی ہی نہیں۔

فقیری شیخ کامل کی خدمت میں رہنے سے ملتی ہے

میں کہتا ہوں واللہ دوشالوں میں۔ گدے تکیوں میں سلطنت میں۔ مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر بیں نہیں۔ شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا روم جیسے عارف کی ان کے بارے میں یہ رائے ہے کہ

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم!

عطار عشق کے سات شہروں میں پھر گیا۔ اور ہم ابھی ایک ہی گلی میں بھٹک رہے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و بس بیا

ور ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

اے دل اگر عشق کے سفر کی خواہش ہے تو رہبر کا دامن تھام لے اور دائم ہو جا۔ اے فرید یقین اور عقیدے میں پکا اور سچا رہ۔ تاکہ معرفت کے خزانہ کی کنجی حاصل کر سکے۔ بغیر رہبر کے عشق کی راہ میں چلنا عمر بھر عشق کی حقیقت سے بے بہرہ رہتا ہے۔

مگر شیخ کامل ہونا چاہیے کامل۔

شیخ کامل کی پہچان

اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو۔ کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے۔ اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اس علاج سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے۔ اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست

ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخ کامل کی۔ ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے۔ تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا۔ اس سے تو ہوگئی محبت۔ آگے رہا عمل تو اس کے لئے ضرورت ہوگی ہمت کی۔ اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اس کو پلہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں کیونکہ ان کو بہکایا ہے دوکانداروں نے۔ چنانچہ ایک گاؤں میں ایک پیر صاحب آیا جایا کرتے تھے۔ ایک بار آئے تو کچھ دبلے ہو رہے تھے۔ گھر پر مرغن کھانے نہ ملے ہوں گے۔ ایک چودھری نے جو مرید تھا دیکھ کر کہا کہ اے پیر کیا بات ہے تول (یعنی تو) دبلا بہت ہو رہا ہے۔ اب کیا تھا۔ انھیں موقع مل گیا اور کہا کہ چودھری جی دبلا نہ ہوں تو کیا ہوں۔ تمھاری طرف سے کام بھی تو مجھی بہت کرنے پڑتے ہیں۔ تم نماز نہیں پڑھتے تمھاری طرف سے مجھے نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ تم روزے نہیں رکھتے۔ تمھاری طرف سے مجھے روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ اور سب سے مشکل کام یہ ہے کہ تمھاری طرف سے مجھے پل صراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ بس اسی فکر میں جان سوکھی جاتی ہے۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ کیوں دبلا ہو رہا ہوں۔ ان ہی وجہوں سے دبلا ہو گیا ہوں۔ یہ سن کر چودھری کو بڑا رحم آیا۔ کہنے لگا وہ وہ دکلمہ تاسف) ارے

پیر تجھے تو بڑے کام کرنے پڑے ہیں۔ تیرے اوپر تو بڑی محنت پڑے ہے۔ جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دیا۔ پیر صاحب نے سوچا کہ یہ گاؤں کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ ورنہ ممکن ہے بعد کو رائے بدل جائے۔ فوراً کہا کہ چودھری جی میں نے تمہارا کھیت کبھی دیکھا نہیں چل کے مجھے دکھا دو اور قبضہ کرا دو۔ اس نے کہا چل۔ اب پیر صاحب تو آگے آگے اور مرید صاحب پیچھے پیچھے کھیتوں میں راستہ نہیں ہوتا۔ پتلی پتلی ڈولیں ہوتی ہیں خاص طور سے مونجی اور دھان کے کھیتوں کی ڈول بہت اونچی اور پتلی ہوتی ہے اور کھیتوں میں پانی بھرا رہتا ہے۔ یہ دونوں بھی ایک پتلی سی ڈول پر چلے جا رہے تھے۔ دفعتہً پیر صاحب کا پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ رہے ہیں کیونکہ پانی کی وجہ سے مٹی بھی چکنی ہو رہی تھی۔ چودھری نے کود کر اوپر سے ایک لات رسید کی اور کہا کہ سسرے تو تو کہے تھا کہ میں پل صراط پر چلو ہوں۔ جو بال سے بھی باریک ہے تو بالکل جھوٹا ہے ایک بالشت چوڑی مینڈ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا۔ بال سے باریک پل صراط پر تو تو ضرور چلتا ہوگا۔ جا میں کھیت نہیں دیتا۔ میں تو پل صراط کے بدلے دوں تھا۔ اب کیوں دوں۔ جا میں اب نہیں دیتا۔ کھیت کا کھیت بیچارے کے ہاتھ سے گیا۔ پانی میں جدا گرا اور اوپر سے لات

پڑی سو اگتے۔ تو جناب ان جاہلوں کو ایسے دوکانداروں نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمھیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں سب ہمیں کرلیں گے۔ بس اب وہ پیچھے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلتی۔ دعا کرو کہ آنکھ کھلا کرے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کروں گا کہ آپ میرے لیے یہ دعا کردیجیے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ پہنچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اٹھا دیا کروں۔ بے وقوف ہوئے ہو اگر آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اٹھو کسی طرح۔ اور اگر کسی طرح اٹھا نہیں جاتا۔ تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو۔ غرض ہر چیز کا علاج ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی توجہ دیجیے کہ وظیفہ پورا ہو جایا کرے۔ بس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہو۔

توجہ کی حقیقت

لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کردوں۔ صاحبو! انہیں دوسروں کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے اور ہمت سے کام نہ لے۔ سارا کام ہمت پر موقوف ہے بے وقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں

ہے۔ پیر تو بیچارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طالب کے لیے بہت چاہا کہ مسلمان ہو جائیں۔ مگر ہدایت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالے کا آپ کو ارشاد ہوا اِنَّکَ لَا تَہْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ سمجھیے جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کر سکے تو پیر بیچارے تو کیا کرتے۔ دیکھا آپ نے۔ اب تو صاحبو! آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ پھر ایک اور غضب یہ ہے کہ دین تو دین دنیا کے کام بھی پیر ہی کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں اتنے آدمی اب تک طاعون میں مر چکے ہیں خیر جو مر چکے وہ تو مر چکے اب جو زندہ ہیں ان کی خیریت چاہیے ایسی دعا کیجیے کہ وہ نہ مریں۔ میں نے لکھا حضور آپ کو تو ماشاء اللہ وہاں کی انسپکٹری مل گئی ہے جو وہاں کے انتظامات کی فکر ہے لیکن مجھے ابھی ٹھیکہ داری نہیں ملی۔ تم انسپکٹر ہو گئے ہو مگر میں تو ٹھیکہ دار نہیں ہوا۔ یہ درخواست تو ایسی ہے کہ گویا حوالات سے اتنے مجرم تو بھاگ گئے۔ بقیہ کا میں پہرہ دوں سو مجھے اس چوکیداری سے معاف رکھیے۔ اس قسم کی حماقتیں کرتے ہیں نعوذ باللہ شرک میں مبتلا ہو گئے لوگ۔

غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ کچھ نہ کرنا پڑے۔ پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہو جائے۔ ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے ان سے تو تصدیق کر لو کہ انہیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت چکی پیسنے سے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا۔ پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا۔ پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی وہ پک گئی پھر کھالی اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ دو شخص ہم سفر تھے کسی مقام پر روٹی پکانے کے لیے ٹھہرے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ آٹا تو میں لے آؤں گا لکڑی تم لے آؤ۔ اس نے کہا بھائی مجھ سے تو نہیں اٹھا جاتا میں تو بہت تھک گیا ہوں۔ تمہیں دونوں چیزیں لے آنا۔ خیر وہ آٹا بھی لے آیا۔ لکڑی بھی لے آیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آگ جلاؤں تم آٹا گوندھ لو۔ کہا اجی صاحب معلوم نہیں پتلا ہو جائے سخت ہو جائے پھر تم خفا ہونے لگو۔ بس تمہیں گوندھ لو۔ بیچارے نے آٹا بھی گوندھ لیا۔ پھر اس نے کہا کہ تم توے پر روٹی ڈالتے جاؤ میں سینکتا جاؤں۔ کہا۔ میں نے تو بھائی کبھی روٹی پکائی نہیں کچی رہ جاوے۔ جل جائے۔ تمہیں اچھی پکاؤ گے۔ خیر

اس نے روٹی بھی پکالی۔ جب سب ہو ہوا چکا اور روٹی پک پکا کر تیار ہو گئی تو اس نے ساتھی سے کہا کہ آؤ روٹی تیار ہے کھالو تو کہنے لگا بھائی تمہارے خلاف کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی اب کہاں تک خلاف کروں اور کب تک انکار کرتا رہوں شرم آتی ہے۔ اچھا لاؤ کھالوں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بس احسان جتلا کر کھانے بیٹھ گئے۔ خیر غنیمت ہے ایک بات تو مانی۔ تو اب تم بھی چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلاوے لیکن ایسا نہ ہو گا۔

ع۔ این خیال ست و محال ست و جنوں

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں۔ اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے۔ حضور تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ پکی پکائی ہی کھلاویں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی۔ تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلے گا بس طریق یہی ہے کہ کام کرو۔ محنت کرو خدا برکت دے گا۔ اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور محنت کرو۔ جیسا کہ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں ہوں اس کی خدمت

یکسوئی کرو۔ لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔ درخواست پر اگر وہ کرلے تو اس کی عنایت ہے باقی تم اس کو دق نہ کرو۔ پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کراوے محنت کرو۔ ذکر و شغل کراوے ذکر و شغل کرو۔ غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسر آئے۔ اب آخر میں یہ غرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں۔ دوسرے وہ ہیں جن میں محبت کی کمی ہے۔ وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں۔

عمل اور محبت لازم طریق ہیں

غرض یہ دونوں چیزیں لازم طریق ہیں۔ ایک عمل۔ دوسری محبت۔ اول میں ہمت کی ضرورت ہے۔ دوسرے میں اہل اللہ کی صحبت اور ان کے اتباع کی۔ اس سے ان صفات کے جامع اور ان ثمرات کے مستحق ہو جاؤ گے جو اس وقت بہ ضمن آیت قرآن بالتفصیل بیان کیے گئے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا۔ میں کہہ چکا۔ اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور اس کا نام اس کی خصوصیات کے لحاظ سے جو کہ ظاہر ہیں۔ طریق القلندر رکھتا ہوں اس نام میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قلندر کے متعلق چونکہ عموماً

لوگ بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اس تمام کو سن کر یا دیکھ کر بے اختیار ان کو اشتیاق ہوگا کہ لاؤ دیکھیں اس وعظ میں طریق قلندری کی کیا حقیقت بیان کی گئی ہے اور جب دیکھیں گے تو عمر بھر کے لیئے ساری غلط فہمیوں سے محفوظ ہو جائیں گے اور حضرت حافظ کے ان اشعار کی حقیقت کی تحقیق اور حقیقت کی تصدیق ہو جاوے گی ۔

نہ کہ ہر چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ وارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ہر ایک اچھے چہرہ والا دلبری نہیں جانتا۔ نہ ہر ایک آئینہ رکھنے والا سکندری جانتا ہے۔ طریق قلندری میں ہزاروں باریک نکات ہیں ہر وہ شخص جس نے سر منڈا لیا قلندری کیا جانے۔

اب دعا کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور قلندری کی جو صفت اس وقت کتاب و سنت اور اقوال مشائخ و ائمہ طریق سے بیان کی گئی ہے اس کا پورا پورا مصداق بنائیں اور ہر قسم کی گمراہی اور کجی سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھیں چونکہ یہ بیان حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے قریب ہوا ہے جس میں حضرت کا روحانی فیض شامل ہونا بھی بعید نہیں اس لیئے میں اس کا ثواب حضرت کی روح مبارک کو پہنچاتا ہوں (پھر سارے مجمع نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی) اور بعد دعا حضرت نے فرمایا کہ

مصافحہ سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھ کو بھی تکلیف ہوگی اور سب کو تکلیف ہوگی گیارہ بج چکے ہیں رات زیادہ ہوگئی ہے۔ سب صاحب آرام فرمائیں۔ فقط۔ وعظ تمام شد۔

اشرف علی

جامع وعظ ہذا احقر عزیز الحسن عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ کہ یہ معرکۃ الآرا وعظ تقریباً چودہ برس بعد آج ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵ھ یوم چہار شنبہ ٹھیک اذان مغرب کے وقت سہ دری حضرت حاجی صاحب میں بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر صاف ہو کر قابل اشاعت ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے اور میرے لئے کفارۂ سیئات و ذخیرۂ آخرت کرے۔ جو صاحب فائدہ اٹھائیں حضرت واعظ مدظلہم العالی کی طول حیات بایں فیوض و برکات کے لئے نیز جامع وعظ کے لئے توفیق مرضیات و حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں جناب مولوی محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری کے لئے بھی دعا فرمائیں جن کے مسودۂ اجمالی سے مجھ کو مدد ملی اور تسوید تفصیلی میں بھی بہت سے مشکل مقامات ان سے حل ہوئے۔ مکرمی حافظ صغیر احمد صاحب سے بھی بہت مدد ملی کیونکہ نقل و مقابلہ انہیں نے کیا اور اگر وہ رات دن محنت کر کے اس کام کو نہ کرتے

تو سارے کام اتنی قلیل مدت میں ہرگز ختم نہ ہو سکتے تھے۔ ان کے لیے بھی دعا کی جائے۔ اب آخر میں یہ احقر بھی اس وعظ کی تبئیض کا ثواب بہ تبعیت واعظ مدفیوضہم العالی حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو پہنچا کر ختم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے والسلام خیر الکلام الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات ؛

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ